امر بالمعروف و نہی عن المنکر

صدائے حق

مولانا ابوالکلام آزادؒ

جامعہ بیت العتیق (رجسٹرڈ)

کتاب نمبر ______________

صدائے حق

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

مکتبہ جمال

تیسری منزل، حسن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

فون: 7232731 Mob: 0300-8834610

Email: maktabajamal@yahoo.co.uk

maktaba_ jamal@email.com

نام کتاب .... صدائے حق

مصنف .... مولانا ابوالکلام آزاد

اہتمام .... میاں شبیر احمد کھٹانہ

ناشر .... مکتبہ جمال ○ لاہور

مطبع .... تایا سنز پرنٹرز ○ لاہور

سن اشاعت 2007ء

قیمت .... 90 روپے

ملنے کا پتہ:

تیسری منزل، حسن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

فون: 7232731 Mob: 0300-8834610

Email: maktabajamal@yahoo.co.uk
maktaba_ jamal@email.com

فہرست

عرض ناشر

مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب ''صدائے حق'' زیور طبع سے آراستہ ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مولانا کی یہ پانچویں کتاب ہے جسے مکتبہ جمال شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے ہماری کوشش ہے کہ مولانا کی تمام کتابوں کو جستہ جستہ احسن طریقہ سے طباعت میں لائیں تاکہ قارئین ان کی مجموعی فکر سے آگاہ ہو کر ان کے ولولہ انگیز کام کے بارے میں کسی ٹھوس رائے تک پہنچ سکیں۔

زیر نظر کتاب دراصل مولانا کے ان مضامین پر مشتمل ہے جو انہوں نے ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' کے عنوان کے تحت اپنے رسالے ہفت روزہ ''الہلال'' میں قسط وار شائع کئے۔ اگرچہ ان مضامین کو یکجا کر کے کتابی صورت میں پہلے بھی شائع کیا جا چکا ہے لیکن یہ محسوس ہوا کہ ان میں اغلاط کی بھرمار ہے جو پڑھنے والوں کی طبع پر گراں گزرتی ہے۔ لہٰذا راقم نے اپنے طور پر پوری کوشش کی ہے کہ کتابت کی ویسی ہی اغلاط کے ساتھ کتاب مولانا کے قارئین تک نہ پہنچے اور مجھے اپنی اس کوشش میں بساط بھر کامیابی بھی ہوئی ہے۔ راقم کے لیے تو بس یہی سعادت کافی ہے کہ اس کا شمار مولانا آزاد کے ادنیٰ خادموں میں ہوگا۔ انشاءاللہ۔

قارئین کو معلوم ہونا چاہیے کہ مولانا نے دین و مذہب کے تقریباً ہر پہلو پر خامہ فرسائی کی ہے اور لگتا ہے کہ ان کے بعد آنے والے تقریباً سارے مفکر اور فلاسفر انہی کے نقوش قدم کی کہکشاں سے گزر کر منزل مقصود تک پہنچے ہیں۔ اب اسی صدائے حق کو دیکھیے۔ جس میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بارے میں تمام بنیادی اصول جس آسانی اور خوبصورتی سے انہوں نے مستنبط کر دیئے ہیں، ان کے ادبی اور معنوی کمال کی گرد تک پہنچنا کسی کے بس کی بات نہیں۔

میں اپنے کرم فرما پروفیسر افضل حق قرشی صاحب اور محترم دوست محمد اصغر نیازی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ ان کے علمی تعاون اور رہنمائی سے اس کتاب کی طباعت عمل میں آئی۔

میاں مختار احمد کھٹانہ

حرف اوّل

کم از کم پچھلے سو برسوں میں ہماری قومی نفسیات میں ایک ایسی بنیادی تبدیلی در آئی ہے جس نے فضلیت و دنائت کے اس معیار کو تقریباً منقلب کر کے رکھ دیا جس کی بنیاد پر ہم اپنی تاریخی پیش رفت کے عمل کو تیقن اور یکسوئی کے ساتھ انجام دے رہے تھے۔ یہ تبدیلی دراصل سیاسی نقطہ نظر بلکہ طرز احساس کے غیر فطری اور غیر عقلی غلبے سے پیدا ہوئی۔ اس کے نتیجے میں ہم نے انسانی مراتب کے روایتی نظام کو بالکل ہی الٹ پلٹ کر کے رکھ دیا۔ تاریخ اور قوم کے تاریخی کردار کی تشکیل کا بنیادی عنصر صرف سیاست کو مان کر ہم یہاں تک پہنچ گئے کہ سیاسی اتفاق کسی شخصیت سے ہماری وابستگی کی اور سیاسی اختلاف اس سے انقطاع کی شرط بن گیا۔ اس ہولناک نفسیات نے ہمیں جہاں اور نقصانات پہنچائے، وہاں ایک ناقابل ضرر یہ اٹھانا پڑا کہ ہم نے اپنی قومی زندگی اور اس کی اصولی نشو ونما میں لازمی طور پر درکار ان انسانی صلاحیتوں سے بھی محرومی گوارا کر لی جو ہمارے سیاسی مخالفین میں پائی جاتی تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد یقیناً انہی شخصیات میں سے ایک ہیں، جن کی بے مثل عملی اور تحقیقی صلاحیتوں سے ہم محض اس لیے محروم رہنے پر راضی ہو گئے کہ وہ تحریک پاکستان کے مخالف تھے۔ گو کہ اس مسئلے پر کہ مولانا تحریک پاکستان کے مخالف تھے، گفتگو کی گنجائش تا حال موجود ہے اور اس وقت تک موجود رہے گی جب تک اس اختلاف یا مخالفت کے پیچھے ان کا جو

استدلال کارفرما تھا، پوری طرح رد نہ ہو جائے۔ اور تو اور ہمارے اہل علم کی اکثریت بھی اس معاملے میں مولانا کے مؤقف سے کم از کم اتنی آگاہ نہیں ہے کہ اس کو مسترد کرنے کی ضروری شرائط پوری ہو جائیں۔ کسی بحث میں پڑے بغیر اگر یہ مان بھی لیا جائے۔ کہ وہ سراسر غلطی پر تھے، تو بھی اس غلطی پر ان کی تاریخ سازی کی اس قوت کو نظر انداز کر دینا، جو یقیناً ہمارے بہت کام آ سکتی تھی، پرلے درجے کی حماقت ہے۔

مکتبہ جمال والوں کا یہ منصوبہ لائق ستائش ہے جو انھوں نے مولانا کی تحریروں کی بڑے پیمانے پر اشاعت کے لیے بنایا ہے اور جس پر بفضل خدا کامیابی سے عمل بھی ہو رہا ہے۔ میری نظر میں اس کام کی افادیت محض اتنی نہیں ہے کہ اس کے ذریعے سے مولانا آزاد کی چند نایاب یا کم یاب تحریریں دوبارہ منظر عام پر آ جائیں گی، بلکہ اس کی حقیقی اہمیت یہ ہے کہ اس طرح کچھ ایسی چیزیں محفوظ ہو جائیں گی جو ہمارے وجود کی بقاء اور ترقی کے لیے ضروری ہیں۔

زیر نظر کتاب ''صدائے حق'' مولانا کی جامعیت کا ایک اور ثبوت ہے۔ اس میں قرآن کے مطلوبہ تزکیہ نفس کو موضوع بنایا گیا ہے اور اس ہدف کے حصول کا ذریعہ بھی خود قرآن ہی سے فراہم کیا گیا ہے۔ مولانا کے بارے میں ایک چیز کا اعتراف ان کے مخالفین بھی کرتے ہیں کہ تاریخ کا جیسا شعور انہیں تھا، وہ برصغیر کی حد تک شاہ ولی اللہ کے بعد دینی حلقوں میں سے تقریباً غائب ہو چکا تھا۔ یہی تاریخی شعور جو اپنی ماہیت میں عالم خارجی میں تغیر و ثبات کے پوشیدہ محرکات کو گرفت میں لینے سے عبارت ہے، جب مطالعہ انسان کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو نفس انسانی کی دنیا میں خیر و شر کے اس اصول کا تجزیہ کرنے میں کامیاب رہتا ہے جو نفس کے اساسی داعیات و موثرات کی اصل ہے۔ یہ کتاب جو مولانا کے مختلف مضامین کا مجموعہ ہے قاری پر یہ اصول منکشف کر دیتی ہے کہ جو باہر کی دنیا کا علم

رکھتا ہے، وہ اندر کی دنیا کا عارف بھی ہوتا ہے۔ دینی تصور علم یہی ہے، کیونکہ وہ قانون جو انسان و کائنات کے تمام وجودی مراحل کو محیط ہے، تاریخ اور نفس کی یک اصلی کو پہچانے بغیر ادراک میں نہیں آ سکتا۔ مولانا کی تحسین کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ یہ مطلوبہ بصیرت رکھتے تھے اور انفس و آفاق کا نکتہ اتصال اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ ان کی نظر سے اوجھل نہیں تھا۔ یہ وہ امتیاز ہے جو پچھلی دو صدیوں میں ان کے علاوہ کسی کے حصے میں نہیں آیا۔

مولانا کی علمی حیثیت کا تجزیہ کرتے وقت شاہ ولی اللہ کے ساتھ ان کا تقابل گو کہ کسی قدر بے جوڑ بات ہے، تاہم اس بات کا اعتراف کرنا خلاف دیانت ہوگا کہ انسان و کائنات کے موضوع پر اسلامی ہند میں اگر شاہ صاحب کے بعد کسی دینی عالم نے کوئی ڈھنگ کا کام کیا ہے تو وہ ابوالکلام آزاد ہی ہیں۔ بلکہ یہ بات کہنے میں کوئی باک نہیں ہونا چاہیے کہ شاہ ولی اللہ اور ابوالکلام آزاد میں بس موضوع مشترک ہے، اسلوب مختلف ہے۔ شاہ صاحب نے کائنات کو انسان سمجھا اور مابعد الطبعی نقطہ نظر اختیار کیا، جبکہ ابوالکلام آزاد نے انسان کا مطالعہ ان اصولوں پر کیا جو مطالعہ کائنات کے اصول ہیں۔ ان کا انداز نگاہ مابعد الطبعی نہیں تجربی اور اخلاقی ہے۔ اور اس نظام برہان و استدلال سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے جو قرآن و سنت سے مستنبط ہے۔ کاش! ہماری نفسیاتی کجی اور ذہنی تنگی اور کسی قدر مولانا کی بعض ذاتی کمزوریاں مانع نہ آتیں تو وہ اپنے اس امتیاز کے ساتھ ایک ایسی موثر سطح تک ضرور پہنچتے جہاں سے قومی تقدیر کے خدوخال متعین ہوتے ہیں۔

''صدائے حق'' اخلاق کی کتاب ہے یعنی اسلام کے بتائے ہوئے رذائل و فضائل کی تشریح، اور ان کی دینی، روحانی اور نفسیاتی اہمیت کا بیان، اس کتاب کا مرکزی موضوع ہے۔ تاہم اخلاق کی اجتماعی جہت بھی پوری تفصیل کے ساتھ ملحوظ رکھی گئی ہے۔

مولانا چونکہ دین میں تاریخیت کے عنصر کی نفی نہیں کرتے، لہٰذا دین کے اساسی مظاہر میں اس اصول حرکت کو بہر حال ملحوظ رکھتے ہیں جس کی رو سے انسان کی اعتقادی پیش رفت بھی چند ایسے ضابطوں سے ہم آہنگ ہوتی ہے جن میں خود انسان فاعلی جہت رکھتا ہے۔ اس انداز نظر کا تقاضا مولانا نے اس طرح پورا کیا کہ دینی زندگی کی اصل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو قرار دیا، تاہم یہ امر و نہی معروف معنی میں تبلیغی نہیں ہے بلکہ ایک اخلاقی تعلیمی اور تربیتی رنگ رکھتے ہیں، جس کی بنیاد تعلق باللہ کے فطری داعیے پر ہے۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا ہے کہ یہ کتاب، کتاب الاخلاق ہے تو وہ اسی معنی میں سمجھنا چاہیے کہ نیکی کی طرف لپکنا اور بدی سے بھاگنا، اخلاق کی روح ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسی روح کی حفاظت اور پرداخت کے لیے ہے۔

مولانا آزاد مسلمانوں کے ملی شرف اور فضیلت کا بڑا سبب یہ بتاتے ہیں کہ یہ واحد امت ہے جس پر خیر کی طرف بلانے اور شر سے روکنے کا فریضہ عائد کیا گیا اور یہ فریضہ کچھ خاص لوگوں تک محدود نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان اس کا مکلّف ہے۔

ہم لوگ عام طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ایک قانونی ذمہ داری سمجھنے کے عادی ہو چکے ہیں، جس کی وجہ سے معروف و منکر فطریات کی گہرائی سے خارج ہو کر یہ کرو اور وہ نہ کرو کی میکانکی سطح پر آ گئے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ اس عمل میں جو چیز مقصود تھی، وہ اوجھل ہو گئی۔ یعنی اللہ سے محبت۔ مولانا نے الحب فی اللّٰہ و البغض فی اللّٰہ کو عبادت و اطاعت کی اصل قرار دے کر ہمیں اس طرف متوجہ کیا ہے کہ نیکی کا امر اور برائی کی ممانعت محض ایک ضابطہ بندی نہیں، بلکہ تعلق مع اللہ کا لازمی تقاضا ہے، جسے پورا کرنے کے لیے بندے کو حق پر نثار ہونا سیکھنا پڑتا ہے۔ امر و نہی کا مقصود اگر یہ نہیں ہے تو پھر کچھ بھی نہیں۔ اللہ سے تعلق کا ایک لازمہ یہ بھی ہے کہ ماسویٰ اللہ سے مکمل لاتعلقی پیدا کی

جائے۔اس مکمل لاتعلقی کا مفہوم یہ ہے کہ کسی چیز سے ہمارا تعلق ہمیں بعض ایسی شرائط کا پابند بنا دیتا ہے جو اس چیز کے غلبے اور ہماری مغلوبیت پر دلالت کرتی ہے۔ان شرائط سے آزاد ہو جانا مکمل لاتعلقی ہے۔گویا بندگی کا اقتضا اس وقت تک پورا نہیں ہوسکتا، جب تک ہم اپنے پورے وجود کو اللہ کے آگے جھکنے میں صرف نہ کریں۔ اللہ کے آگے جھکنے پر آمادہ کرنا امر بالمعروف ہے اور اللہ کے سوا کسی کے آگے جھکنے سے روکنا نھی عن المنکر ہے۔یہ دونوں عمل اگر ترغیب اور نرمی سے کئے جائیں تو تبلیغ اور ترغیب ہیں اور سختی سے کیے جائیں تو جہاد۔مولانا نے اس کتاب میں اسی بحث کو تنوع اور تفصیل کے ساتھ اٹھایا ہے۔ان کے نزدیک مسلمان کی ہر دینی سرگرمی کا، خواہ باطنی ہو یا ظاہری، انفرادی ہو یا اجتماعی، مقصود یہی امر ونہی ہے، جس کا دائرہ اثر عمل سے لے کر اصول فطرت تک پھیلا ہوا ہے۔

اس کتاب کی ایک بہت قیمتی بات یہ بھی ہے کہ اس میں گناہ کی حقیقت اور اس کا محرک ایک طاقتور تجزیے کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔مولانا آزاد اسراف کو گناہ کی اصل سمجھتے ہیں ۔ اسراف جو اصل خیر یعنی عدل کی ضد ہے ۔فطرت انسانی میں راسخ معروف کو اگر ایک عنوان دینا مقصود ہو تو وہ عدل ہوگا یعنی ہر چیز کو اس کی صحیح جگہ پر رکھنا اور یہی کام اگر منکر کے لیے کیا جائے تو اس کا عنوان اسراف ہوگا۔یعنی چیزوں کو ان کی صحیح جگہ سے ہٹا دینا۔غور سے دیکھیں تو گناہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ چیزوں کی خدائی ترتیب و تنظیم میں بگاڑ پیدا کر دیا جائے۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عدل و اسراف کا یہ قانون محض استحضار ذہنی اور قوت ارادی پر موقوف نہیں ہوسکتا کیونکہ ذہن اور ارادے کے موضوعات مستقل نہیں ہوا کرتے۔اس صورت میں انسان میں کوئی ایسی استعداد ہونی چاہیے جو اس بنیادی اصول کے ساتھ سازگاری پیدا کرنے کے لائق ہو۔مولانا اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ وہ استعداد،

اللہ سے محبت کی استعداد ہے جو اس مقصود سے بندے کو سوتے جاگتے ہم آہنگ رکھتی ہے۔ یہ محبت اگر خون گرم کا حصہ بن جائے تو بندگی تکلف سے یاد رکھنے اور ارادے کو ایک مصنوعی انگیخت دینے کی سطح سے بلند ہو کر انسان کا سب سے بڑا وجودی داعیہ بن جاتی ہے۔ جس کا استحضار محض ذہنی اور جس کی تعمیل محض ارادی نہیں رہتی۔

مولانا نے امت وسط کے معنی اور جہاد کی حقیقت پر بھی کلام کیا ہے، جس کا خلاصہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ لیکن پڑھنے والوں کو چاہیے کہ ان مقامات کو بطور خاص تدبر کے ساتھ دیکھیں۔ انہوں نے امت وسط کا مطلب یہ بتایا ہے کہ وہ امت جو اپنے اندر اور باہر عدل پر قائم ہو اور دنیا کو اس پر قائم کرنے کی کوشش کرے۔ اس کوشش میں کہیں حب وعفو درکار ہے اور کہیں بغض وانتقام۔ ان موقعوں کی پہچان اور ان میں مطلوب ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کی صلاحیت خیر الامم کی پوری طرح ودیعت کی گئی ہے۔ اگر ہم اس سے روگردانی کریں گے تو اس شرف کے حق دار نہیں رہیں گے۔

باقی باتیں، کتاب حاضر ہے، خود دیکھ لیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد کو کسی ترجمان کی ضرورت نہیں ہے۔

احمد جاوید

اقبال اکادمی پاکستان

مقصد وحید

وَ لْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ‘ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۳ : ۱۰۴)

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰه. (۳ : ۱۱۰)

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (۲ : ۱۴۳)

اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَر

اَلْحُبُّ فِى اللّٰهِ ، وَالْبُغْضُ فِى اللّٰهِ

اَلسَّاكِتُ عَنِ الْحَقِّ شَيْطَانٌ اَخْرَس

وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ‘ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ ، هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِىْ هٰذَا ، لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ ، وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ، فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰكُمْ ، وَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ! (۲۲:۷۸)

اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو، جو حق جہاد کرنے کا ہے۔ اس نے تم کو تمام دنیا کی قوموں میں سے برگزیدگی اور امتیاز کے لیے چن لیا۔ پھر جو دین تم کو دیا گیا ہے، وہ ایک ایسی شریعت فطری ہے جس میں تمہارے لیے کوئی رکاوٹ نہیں۔ یہی ملت تمہارے مورث اعلیٰ ابراھیم خلیل کی ہے، اور اس نے تمہارا نام ''مسلمان'' رکھا ہے، گذشتہ زمانوں میں بھی اور اب بھی۔ تاکہ رسول تمہارے لیے، اور تم تمام عالم کی ہدایت اور نجات کے لیے شاہد ہو۔ پس اللہ کی رشتے کو مضبوط پکڑو جان اور مال دونوں کو اس کی عبادت میں لٹاؤ۔ وہی تمہارا ایک آقا اور مالک ہے اور پھر جس کا خدا مالک و حاکم ہو، اس کا کیا اچھا مالک ہے اور کیسا قوی مددگار!

تاریخ اسلام میں امر بالمعروف ونہی المنکر کے تنزل کا افسانہ پڑھو۔ تمہیں نظر آئے گا کہ اس کا اصلی سبب یہی تھا کہ علماء حق روز بروز کم ہو گے اور علماء سوء نے امراء رؤسا کے آگے طالب واحتیاج کا سجدہ کرنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جن کے دست احسان کے ڈالے ہوئے طوق گلے میں پڑے تھے ان کے سامنے اٹھنے کی طاقت کیونکر ہو سکتی تھی؟

آج بھی عالم اسلامی کو دیکھو تو تمہیں دعوت الی الخیر اور نہی عن المنکر کی صورتیں کہیں سے سنائی نہ دیں گی، کیونکہ جس فاسق و فاجر اور ظالم و مستبد کی جیب میں زر ہے وہ کتوں کے آگے روٹی کے چند ٹکڑے ڈال دینے کا جادو خوب اچھی طرح سیکھا ہوا ہے:

دھن سگ بہ لقمہ درختہ بہ!

پس قلم خاموش ہیں، زبانیں سی دی گئی ہیں، حق کی جراتیں طمع وحرص کے مندر پر قربان ہو رہی ہیں اور وہ خدا کی سچائی جس کی قیمت میں کرۂ ارضی کے تمام خزائن بھی ہیچ تھے اور جو اس کے رسولوں اور نبیوں کی پاک امانت تھی، چاندی سونے کے چند سکوں پر فروخت کی جا رہی ہے:

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَٰلَةَ بِالْهُدَىٰ ، فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ (٢:١٦)

اخلاقی تعلیمات کا مُرقّع

ایک اصولی بحث

سچ ہے کہ پُل صراط کی راہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اور اس کے نیچے آتش جہنم کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ لیکن اس کا سامنا صرف قیامت ہی کے دن پر کیوں اٹھا رکھا جائے؟

اَلدُّنیَا مَزْرِعَةُ الْاٰخِرَةِ

دنیا آخرت کی کھیتی ہے

آج دنیا کے سفر میں بھی پل صراط ہر شخص کے سامنے ہے۔

دشوار گذار راہ

یہ پل صراط درحقیقت (اخلاق) کی دشوار گذار راہ ہے، جذبات و امیال انسانی کے اعتدال کا لاتنحل مسئلہ ہی اصلی پل صراط ہے، بال سے زیادہ باریک، تلوار کی دھار سے زیادہ تیز اور اس کے نیچے ہلاکت و بربادی کا قعر، آدم کی اولاد میں سے کوئی نہیں جس کو اس پر ایک بار نہ گذرنا ہو:

وَاِنْ مِنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا کَانَ عَلٰی رَبِّکَ حَتْماً مَّقْضِیًّا(۱۹: ۷۱)

تم میں سے کوئی نہیں جو اس پر سے نہ گذرے، یہ ایک وعدہ اور فیصلہ ہے جس کو خدا نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔

خانۂ دِل کا فانوس

اخلاق کے سینکڑوں مشکل مسائل میں سے ایک مشکل تر مگر اصولی مسئلہ حُب و بغض، تولا و تبرا، تحسین و تذلیل اور عفو و انتقام کا بھی ہے۔ ایک طرف اخلاق ہم کو تلقین کرتا ہے کہ دل کو محبت کے لیے مخصوص کر دو کہ اس گھر کے لیے یہی فانوس موزوں ہے۔ انیس سو برس پیشتر کا ایک اسرائیلی واعظ کہتا ہے کہ: دشمنوں کو بھی پیار کرو، کیونکہ اگر صرف چاہنے والوں کو چاہا تو تمہارے لیے کیا اجر؟

پہلا اخلاقی سبق

اخلاق کے اولین اور سامنے کے سبق یہی ہیں کہ پیار کرو، خاکسار بنو، کسی سے بغض نہ رکھو، سب کی عزت کرو، انسان کی انسانیت کا بغیر تفریق ادب کرو، اور جس کو سامنے دیکھو، سر جھکا دو، سوسائٹی نے بھی صدیوں سے ان تعلیموں کو اعتقاداً قبول کر لیا ہے اور اصطلاحی اخلاق، مروت، پاس و لحاظ، شرم و حیا، شرافت و انسانیت تمام الفاظ انھیں معنوں میں بولے جاتے ہیں۔

دوسرا اخلاقی سبق

لیکن اس کے مقابلہ میں اسی اخلاق کا ایک دوسرا پارٹ ہے، جہاں آ کر اس کی یہ غریب و مسکین صورت ایک سخت اور جابرانہ خشونت سے مبدل ہو جاتی ہے اور دنیا میں اگر اس کی صدا پہلی تعلیم دیتی ہے، تو خود اس کا عمل دوسری شکل میں سامنے آتا ہے، وہ چور کو قید کرتا ہے، قاتل کو پھانسی پر چڑھاتا ہے، نیکی کی جتنی تعریف کرتا ہے، اتنا ہی بدی کو برا بھی کہتا ہے۔ زید کو کہتا ہے کہ وہ نیک ہے، اس لیے اچھا ہے، عمر کو کہتا ہے کہ تم بد اعمال ہو اس لیے برے ہو، ظالم سے اس کے ظلم کا اور مجرم سے اس کا جرم کا مطالبہ کرتا ہے، پہلی حالت میں جس قدر عاجز

تھا، اتنا ہی اس حالت میں مغرور و متکبر ہو جاتا ہے، پہلے اگر عاجزوں کے جھکے ہوئے سروں کو اٹھا کر اپنے سینے پر جگہ دیتا تھا تو اب سرکشوں کے سروں کو اپنی ٹھوکروں سے پامال کرتا ہے اور پھر ساتھ ہی حالت یہ ہے کہ اس کی پہلی تعلیم سے اگر صرف معبدوں اور خانقاہوں میں رونق پیدا ہوتی تھی، تو اس عمل سے پوری دنیا میں انتظام اور قانون قائم ہوتا ہے۔

تضاد حالات کا تصادم

ایسی حالت میں اصول کے لیے ایک سخت تصادم اور کشمکش پیدا ہو جاتی ہے اور فیصلہ ہکا بکا رہ جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان متضاد حالات میں راہ تطبیق کیا ہے؟ عفو و درگذر کے اصول سے کام لیجئے تو دنیا میں نیکی و بدی کی تمیز اٹھ جاتی ہے، انتقام و پاداش کی راہ اختیار کیجئے تو دنیا سے رحم و محبت نابود ہو جاتی ہے، سب کو اچھا کہئے تو صرف اچھوں کے لیے پھر آپ کے پاس کیا ہے، برائی کیجئے تو اس کے حدود اور فیصلہ کن اصول کیا ہیں؟

شخصی حکومت کے زہریلے تاثرات

غلامی کی عادت

آج ملک میں جو طبقہ شخصی حکومت کے جراثیم سے مریض ہو رہا ہے، وہ گو خود جاں بلب ہے، مگر اس کی نظر اپنے مرض پر نہیں بلکہ دوسروں کی شکایتوں پر ہے، غلامی کے حلقوں کے لیے سب کے کان چھیدے ہوئے ہیں، پاؤں برسوں سے بوجھل بیڑیوں کے عادی ہو گئے ہیں، ان حلقوں اور بیڑیوں کے لیے ضرور نہیں کہ وہ تخت و تاج ہی کے طرف سے بخشے گئے ہوں بلکہ ہر چاندی کا ڈھیر، ہر قیمتی کپڑا، ہر قیمتی موٹر، ہر ہوٹل کی اعلیٰ ترین منزل کا

مقیم اور ہر وہ مدعی جس کے گلے میں طاقت اور جیب میں سکے ہوں، ایک قانونی اور موروثی حق رکھتا ہے کہ جس کو چاہے اپنے حلقہ غلامی کے انتساب کا فخر دے دے۔

نئے بت

رسول عربی ﷺ کے وقت تین سو ساٹھ بت تھے جن سے بیت خلیل کی دیواریں چھپ گئی تھیں، لیکن آج ان کی امت میں ہر چمکیلی ہستی لات و منات کی قائم مقام ہے اور ہر حاکم، ہر رئیس، ہر حکام رس اور سب سے آخر، مگر سب سے پہلے۔ ہر خوش لباس لیڈر ایک بت کا حکم رکھتا ہے، پوری ملت موحدان کی پوجا اور پرستش میں مشغول ہے اور بعینہ اس پرستش کا وہی جواب رکھتی ہے جو قریش مکہ کے پاس تھا کہ :

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (۳۹ : ۳)

مستشرقین کہتے ہیں (ہم ان کی یعنی بتوں کی) پرستش صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمارے لیے وسیلہ شفاعت ہیں اور تا کہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآءُنَا (۱۰ : ۱۸)

اور (یہ مشرک) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ تو انہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں نہ فائدہ اور کہتے ہیں (ہم اس لیے ان کی پرستش کرتے ہیں کہ) یہ اللہ کے حضور ہمارے سفارشی ہیں۔

تحسین کی عادت

اس انسان پرستی ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ بالعموم طبیعتیں مدح و تحسین کی عادی ہو گئی ہیں، نکتہ چینی اور نقد و اعتراض کی متحمل نہیں ہو سکتیں، ہر شخص مخاطب سے اگر کوئی قدرتی امید رکھتا ہے تو

وہ یہی ہوتی ہے کہ مدح ومنقبت کا ترانہ سنائے اور بادہ تحسین وآفریں کی پے در پے بخشش سے ساقی کا ہاتھ کبھی نہ تھکے، شرک و بت پرستی کے اس عالم سکون میں اگر کوئی صدائے توحید خلل انداز ہوتی ہے تو ہر طرف سے اپنے اپنے ایک قدیمی پیشرو کی طرح :

لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهاً غَيْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ

(۲۶ : ۲۹)

(اس نے کہا) اگر میرے سوا کسی دوسری ذات کو تو نے اپنا معبود بنایا تو میں تجھ کو قید کر دوں گا

کا غل مچ جاتا ہے اور صرف یہ معبودان باطل ہی نہیں بلکہ ان کے پرستار بھی چاروں طرف سے ٹوٹ پڑتے ہیں، یہ ایک قدیمی سنت ہے اور دنیا میں جب کبھی سچائی آتی ہے، تو اس کو ہمیشہ ایسے ہی لوگوں سے مقابل ہونا پڑا ہے:

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَ انْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِيْنَ (۲۱ : ۶۸)

تو انھوں نے (آپس میں) کہا کہ اگر تم میں کچھ بھی ہمت ہے تو آؤ اس آدمی کو آگ میں ڈال کر جلا دیں اور اپنے معبودوں کا بول بالا کر دیں

اخلاقی مواعظ کا تمتمہ

ایسے موقعوں پر عموماً اخلاقی مواعظ سے کام لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ بڑے آدمیوں پر حملہ کرنا انسانیت اور تہذیب کے خلاف ہے، گالیاں دینا کوئی اچھی عادت نہیں، اختلاف رائے ہمیشہ سے ہوتا چلا آرہا ہے، یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ مخالف آراء رکھنے والوں کی تذلیل وتحقیر کی جائے، پھر اگر ایسا کرنے کے لیے آپ مجبور ہیں تو ذرا لہجہ نرم کیجئے اور شکایت بھی

کیجئے تو شکر کے لہجہ میں کیجئے ، نرمی اور محبت سے کام نکلے تو سختی دکھلانا شان شرافت نہیں ۔

اُصولی بحث

آج کل بھی کہ ہوشیاری و بیداری کی نہیں تو خمار و سرشاری کی ایک کروٹ تو مسلمانوں نے ضرور بدلی ہے: نکتہ چینوں کی زبانوں کو ایسے ہی ظاہر فریب اور اخلاق نما جملوں سے بند کیا جا رہا ہے، پس ہم چاہتے ہیں کہ سب سے پہلے اصولاً اس مسئلہ پر غور کریں کہ فی الحقیقت اس بارے میں کوئی فیصلہ ہمارے پاس ہے یا نہیں ؟ کسی کو برا کہنا یقیناً اچھی بات نہیں ، دل محبت کے لیے ہے نہ کہ عداوت کے لیے ، لیکن کیا ایسی صورتیں بھی ہیں جن میں یہ برائی ہی سب سے بڑی نیکی اور بھلائی ہو جا سکتی ہے ؟

بدی کی سرزنش

نیکی کا حق تحسین

سب سے پہلے اسے اخلاق کے عام اصول کے لحاظ سے دیکھئے جب بھی فیصلہ صاف ہے، دنیا میں جس دن اخلاق نے کہا کہ نیکی کو نیک اور نیک عمل کو اچھا کہو، کیونکہ بغیر اس کے دنیا میں نیکی زندہ نہیں رہ سکتی، اسی وقت اس نے ضمناً یہ بھی کہہ دیا کہ نیکی کی خاطر بدی کو برا اور بدعمل کو قابل نفرین سمجھو، کیونکہ نیکی کو اس کا حق تحسین مل نہیں سکتا جب تک بدی کو اس کی سرزنش اور نفرین نہ مل جائے۔

زیادہ غور کیجیے تو یہ ایک قدرتی اور عام معمول بہ بات ہے، گو اس کا آپ کو حس نہ ہو، دنیا میں اخلاقی محاسن فی الحقیقت ایسے اعراض ہیں، جو بغیر کسی اضافی تعلق کے کوئی وجود مستقل نہیں رکھ سکتے۔ یہی سبب ہے کہ ان کا فیصلہ قطعی ہمیشہ سے مشکل رہا ہے اور اب بھی مشکل ہے۔ پس ان محاسن و فضائل کا اگر کوئی وجود ہے تو صرف ان کے اضداد کے تقابل ہی کا نتیجہ ہے، جب تک رذائل انسانی کو نمایاں نہ کیجیے گا، فضائل انسانی وجود پذیر نہ ہوں گے۔ اس کے لیے روشنی اور تاریکی کی مثال شاید فہم مقصد میں معین ہو کہ روشنی کا وجود صرف تاریکی کے وجود ہی کا نتیجہ ہے۔

اچھائی اور برائی کا فیصلہ

رہا اخلاقی تلقینات اور اعمال کا اختلاف، تو یہ تو اخلاق کے ہر مسئلے میں درپیش ہے، مگر درحقیقت دونوں صورتوں میں کوئی تضاد نہیں۔ اخلاق دنیا میں کسی شے کو فی نفسہ اچھا یا برا کہنے کا فیصلہ نہیں کر سکا، اس کی ہر تعلیم نسبت و اضافت سے وابستہ ہے اور اس کی تبدیلی کے ساتھ بدلتی رہتی ہے، کوئی شے اس کے آگے نہ تو اچھی ہے اور نہ بری۔ ایک ہی چیز کا بعض حالتوں میں نام نیکی ہوتا ہے اور بعض حالتوں میں بدی، یہی حال اس مسئلہ کا بھی ہے، عفو و درگزر، آشتی و محبت، نرمی و عاجزی انسان کے لیے سب سے بڑی نیکی ہیں لیکن کن کے سامنے؟ عاجزوں، درماندوں کے سامنے، نہ کہ ظالموں اور مجرموں کے آگے، ایک مسکین و فلاکت زدہ پر رحم کیجیے تو سب سے نیکی، اور ایک ظالم پر کیجیے تو سب سے بڑی بدی ہے۔ گرے ہوؤں کو اٹھائیے تا کہ وہ چل سکیں، لیکن اگر سرکشوں کو ٹھوکر نہ لگائیے گا تو وہ گرے ہوؤں کو اور گرا دیں گے، قانون کو دیکھیے تو وہ جرم کو روکنے کے لیے خود جرم

کرتا ہے، خوں ریزی اس کے سامنے سب سے بڑی معصیت ہے، لیکن خوں ریزی کو روکنے کے لیے وہ قاتلوں کے خون بہانے ہی میں امن دیکھتا ہے، قاتل کا قتل بدی تھا، لیکن عدالت کا فتوائے قتل نیکی ہو گیا۔

فیصلہ کن حدود کیا ہیں؟

ہم نے بغیر کسی ترتیب کے چند جملے پھیلا دیئے، کیونکہ یہ اخلاق کے ایسے عام اعمال ہیں جن کو یاد دلا دینا ہی کافی ہے، پس جو لوگ کہتے ہیں کہ ہر انسان اخلاقاً نرمی و آشتی اور محبت و عفو کا مستحق ہے اور کسی کا برائی کے ساتھ ذکر کرنا اخلاق کے اصول کے خلاف ہیں وہ اخلاق کے نام پر ایسی سخت بد اخلاقی کی تعلیم دینا چاہتے ہیں، جس پر اگر ایک لمحے کے لیے بھی عمل کیا جائے تو دنیا شیطان کا تخت گاہ بن جائے، نیکی و اعمال صالحہ کا نظام درہم برہم ہو جائے قانون، اخلاق، مذہب، حسن و قبح کی تمیز اور نور و ظلمت کی تفریق، کوئی بھی خدا کو خوش کرنے والی چیز دنیا میں باقی نہ رہے۔

یاد رکھو کہ ہر محبت کے لیے ایک بغض لازمی ہے اور کوئی عاجزی نہیں کر سکتا جب تک کہ متکبر و مغرور بھی نہ ہو۔ نیکی کو اگر پسند کرو گے تو اس کی خاطر بدی کو برا کہنا ہی پڑے گا، اور خدا کو خوش رکھنا چاہتے ہو تو شیطان کی دشمنی کی پرواہ مت کرو۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ اس کے لیے فیصلہ کن حدود معین ہونے چاہئیں، نرمی و آشتی اور عفو و درگزر کے مقامات کیا کیا ہیں، اور سخت گیری و پاداش و انتقام کا حق کس موقع پر حاصل ہوتا ہے؟

قرآن و حامل قرآن

عام اخلاق کے اصول بھی ان سوالوں کا جواب شاید دے سکتے ہیں مگر ہم تو دنیا کی ہر شئے کو مذہب ہی میں ڈھونڈتے ہیں اور پھر اس کے بعد نہیں جانتے کہ دنیا میں اور کیا کہا جاتا ہے؟ ہمارے ہاتھ میں قرآن کریم ایک امام مبین، تبیانا

لکل شئے ، بیانٌ للناس ،نورٌ و کتاب مبین اور انسان کے ہر اختلاف و نزاع کے لیے ایک حاکم ناطق ہے،اور پھر اس کا عملی نمونہ اور وجودظلی اس کے حامل و مبین کی زندگی کے اعمال ہیں کہ :

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۳۳ : ۲۱)

بے شک رسول خدا کی زندگی میں ان لوگوں کے لیے پیروی اور اتباع کا ایک بہترین نمونہ ہے۔

پس ان سوالوں کا جواب بھی وہیں ڈھونڈ نا چاہیے۔

اسلام کا بنیادی اُصول

(اسلام) نے اپنی تعلیم و دعوت اور اپنی امت کے قیام و بقاء کے لیے اساس اولین اور نظام بنیادی ایک اصول کو قرار دیا ہے اور اس کو وہ ''امر بالمعروف و نہی عن المنکر'' سے تعبیر کرتا ہے :

وَ لْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۳ : ۱۰۴)

اور دیکھو! ضروری ہے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو بھلائی کی باتوں کی طرف دعوت دینے والی ہو۔ وہ نیکی کا حکم دے، برائی سے روکے اور بلا شبہ ایسے ہی لوگ ہیں جو کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بطور ایک اصول کے پیش کیا ہے اور مسلمانوں میں سے ایک گروہ کا اس کو فرض قرار دیا ہے،لیکن اسی رکوع میں آگے چل کر دوسری آیت ہے :

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْ مِنُوْنَ بِاللّٰهِ. (۳ : ۱۱۰)

(مسلمانو!) تم تمام امتوں میں ''بہتر امت'' ہو جو لوگوں (کی ارشادو اصلاح) کے لیے ظہور میں آئی ہے، تم نیکی کا حکم دینے والے، برائی سے روکنے والے اور اللہ پر (سچا) ایمان رکھنے والے ہو۔

ایک تیسری آیت میں مسلمانوں کا یہ ملی امتیاز اور قومی فرض زیادہ نمایاں طور پر بتلایا ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۔ (۲ : ۱۴۳)

''اور اسی طرح یہ بات بھی ہوئی کہ ہم نے تمہیں ''نیک ترین امت'' ہونے کا درجہ عطا فرمایا تاکہ تمام انسانوں کے لیے (سچائی کی) گواہی دینے والے ہو اور تمہارے لیے اللہ کا رسول گواہی دینے والا ہو۔

مسلمانوں کا مقصد تخلیق

ان تین آیتوں میں خدا تعالیٰ نے خاص طور پر مسلمانوں کا اصلی مشن، مقصد تخلیق، قومی امتیاز، اور شرف خصوصی اسی چیز کو قرار دیا ہے کہ گو دنیا میں اعلان حق ہر برگزیدہ ہستی اور جماعت کا فرض رہا ہو مگر مسلمانوں کا تو سرمایۂ زندگی یہی فرض ہے، وہ دنیا میں اس لیے کھڑے گئے ہیں کہ خیر کی طرف داعی ہوتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی کو جہاں کہیں دیکھتے ہیں، اپنے تئیں اس کا ذمہ دار سمجھ کر روکتے ہیں۔ آخری آیت میں کہا کہ تم کو ایک وسطی ملت بنایا گیا تاکہ تم اولین و آخرین کے لیے گواہ بن سکو، اور اس امر کی: کہ تم نے

اپنا یہ فرض ادا کیا یا نہیں تمہارا رسول امین اللہ کے آگے گواہ ہو۔ اخلاق کے تمام دفتر کا متن قرآن کا یہی اصول ہے۔ دنیا میں سوسائٹی کے آداب اور قانون کا احتساب بھی اسی اصل اصول پر قائم ہے۔

مسلمانوں کی خصوصیت امتیازی

گو تفصیل کا موقع نہیں مگر ان آیات کے متعلق چند تفسیری اشارات کر دینا فہم مقصد میں معین ہوگا۔

امر بالمعروف حکم عام ہے

دوسری آیت میں اسی لیے (المعروف) اور (المنکر) پر الف لام استغراق کے لیے آیا تا کہ (بقول امام رازی) معروف اور منکر میں کوئی تخصیص وتحدید باقی نہ رہے اور ظاہر ہو جائے کہ وہ ہر نیکی کے لیے آمر اور ہر بدی کے لیے ناہی ہیں، عام اس سے کہ وہ کہیں ہو اور کسی صورت میں ہو۔

(وھذا یقتضی کونھم آمرین لکل معروف و ناھین عن کل منکر۔ (تفسیر کبیر۔ ج ۲۔ صفحہ ۲۲۵)

مسلمانوں کے ملی شرف وفضیلت کی علت

(خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاس) کے بعد امر بالمعروف کا ذکر کیا اور یہ اس لیے کہ پہلے وصف بیان کر کے اس کی علت بیان کی جائے، مسلمانوں کا بہترین امت ہونا صرف ان کے اس وصف پر منحصر ہے کہ وہ امر بالمعروف و ناہی عن المنکر ہیں، خیر کی دعوت دیتے ہیں اور شر سے روکتے ہیں :

(کما تقول زید کریم، یطعم الناس و یکسوھم) ۔

اور یہیں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر یہ وصف امتیازی ان سے جاتا رہے، تو پھر وہ بہترین امت ہونے کے شرف سے بھی محروم ہو جائیں اور ان کا اصلی قومی امتیاز ان میں باقی نہ رہے۔

(تیسری آیت کی تفسیر) شہادت علی الناس کا مفہوم

تیسری آیت میں ان کو وسط کی امت قرار دیا اور پھر اس کا سبب یہ بیان کیا گیا کہ "تا کہ تم لوگوں کے لیے گواہ ہو"۔ افسوس ہے کہ ایسی صاف اور سلجھی ہوئی بات میں بھی ہمارے بعض مفسرین نے لا حاصل بحثیں پیدا کر دیں اور اس بحث میں پڑ گئے کہ یہ شہادت دنیا میں ہو گی یا آخرت میں؟

اسلام کا اصلی کارنامہ غیر فانی دنیا ہی کی اصلاح تھا، مگر مفسرین اس کی طرف سے اس درجہ غافل ہیں کہ ہر شئے کو آخرت ہی پر اٹھا رکھنا چاہتے ہیں۔ ایک دوسرے موقع پر اسی شہادت کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی ذکر کیا گیا ہے کہ:

وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ (۵ : ۱۱۷)

جب تک میں ان میں رہا ان کا نگران حال تھا۔

اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی امت میں دنیا کے اندر ہی موجود تھے نہ کہ آخرت میں۔ پس یہاں بھی شہادت سے وہی شہادت مراد ہے جو دنیا کی زندگی میں انجام دی جا سکتی ہے۔

تاہم (علامہ رازی) کا ہمیشہ ممنون ہونا پڑتا ہے کہ وہ گو ہر آیت کے متعلق طرح طرح کی توجیہات جمع کر دیتے ہیں مگر پھر بھی ایک نہ ایک ایسی توجیہہ ضرور ان میں موجود ہوتی ہے، جو اصل حقیقت سے پردہ اٹھا دیتی ہے اور وہی خود ان کی ذاتی رائے ہوتی ہے۔ اس آیت کے متعلق بھی انہوں نے دوسرے قول کو بیان کرتے ہوئے جو کچھ لکھ دیا ہے وہ بالکل صاف اور غیر پیچیدہ ہے۔ (ج ۱ : صفحہ ۵۳۴)

امۃ وسطاً

اصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مسلمانوں کا فرض منصبی قرار دیا اور فی الحقیقت ایسا کرنا دنیا میں عدل حقیقی کو قائم کرنا تھا، برائی اگر روک دی جائے اور نیکی کو رائج کیا جائے تو دنیا کے نظم کے قوام کا اس کے علاوہ اور کیا اعتدال ہوسکتا ہے؟ عدل کے معنی ہیں عدم افراط و تفریط یعنی کسی شے کا نہ زیادہ ہونا اور نہ کم ہونا اور یہ درجہ مقام (وسط) اور درمیانی ہے۔

گناہ کی حقیقت اور اصطلاح قرآنی میں ''اسراف''

افراط تفریط کا نام

دنیا میں جس قدر برائیاں ہیں، غور کیجئے تو وہ افراط و تفریط کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ انسان کے تحفظ خود اختیاری اور حفظ حقوق کے لیے غیرت، غضب اور ہیجان کا ہونا ضروری تھا، لیکن جب یہ جذبات اپنی حد سے آگے قدم بڑھاتے ہیں تو فطرت کی بخشی ہوئی ایک شئے۔ جو یقیناً نیکی تھی، یکا یک بدی بن جاتی ہے اور اس کا نام جرم اور گناہ ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اپنی اصطلاح میں ہر جگہ معصیت اور گناہ کے لیے (اسراف) کا لفظ اختیار کیا:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (۳۹: ۵۳)

اے میرے بندو، کہ تم نے اپنے نفسوں پر اسراف کیا ہے رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہو۔

یہاں مسرفین سے مراد سخت درجے کے گناہگار اور معصیت شعار انسان ہیں کیونکہ آیت کا شان نزول!، نیز آگے چل کر" اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيْعًا "(یقیناً وہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔[۵۳:۳۹]) کہنا اس کی پوری طرح تشریح کر دیتا ہے۔

معانی ہر دو

اصراف کی تعریف صرف الشیء فیما ینبغی، زائدًا علیٰ ما ینبغی اور (تجاوز الحد فی کل شئی) ۔از امام راغب ہے، یعنی "کسی چیز کو اس کی ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اور ہر شے کا اپنی حد سے تجاوز کر جانا" اس سے بڑھ کر گناہ کی کیا تعریف ہو سکتی تھی کہ وہ قوتوں اور خواہشوں کے بے اعتدالانہ خرچ کا نام ہے؟

اسراف اور تبذیر میں فرق

(اسراف) کے علاوہ اصطلاح قرآنی میں ایک لفظ "تبذیر" بھی ہے، جیسا کہ فرمایا:

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ (۱۷ : ۲۷)

بے موقع اور بے ضرورت مال و دولت کو ضائع کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

لیکن "تبذیر" اور "اسراف" میں ایک باریک فرق یہ ہے کہ کسی شئے کے خرچ کرنے کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، بعض چیزیں خرچ تو کی جاتی ہیں ان کے ٹھیک مصرف میں، لیکن تعداد صرف ضرورت اور حد معینہ سے زائد ہوتی ہے اور طریق صرف صحیح نہیں ہوتا مثلاً ایک مجرم پر اس کے قصور سے زیادہ غضب ناک ہونا اور مناسب سزا دینے کی جگہ مار پیٹ سے کام لینا۔

مثالِ اسراف

بیشک ایک مجرم کو اس کے جرم کی پاداش ملنی چاہیے اور اس لحاظ سے آپ کے غصے اور غضب کا خرچ اپنے صحیح مصرف میں ہوا، لیکن جس مقدار اور جس صورت میں غصے کو آپ خرچ کر رہے ہیں یہ اس کے حدود اور اس کی ضرورت سے زیادہ ہے اور اسی کا نام ''اسراف'' ہے۔

مثالِ تبذیر

برخلاف ''تبذیر'' کے کہ اس کی تعریف ''صرف الشئی فیما لا ینبغی'' بیان کی گئی ہے، یعنی ''کسی چیز کو اس کے مصرف کے علاوہ دوسری جگہ خرچ کرنا'' مثلاً دولت نفس کے ضروری آرام و آسائش، اعزا و اقارب کی اعانت اور اعمال حسنہ میں خرچ کرنے کے لیے ہے، مگر آپ اسے محض اپنی جاہ و نمائش، دنیوی عزت اور حکام کی نظروں میں رسوخ حاصل کرنے کے لیے باسمائے مختلفہ لٹانا شروع کر دیں، تو قرآن کریم اس کو (تبذیر) سے تعبیر کرے گا اور چونکہ اس کا نقصان اسراف سے شدید تر ہے، اس لیے وعید بھی سخت وارد ہوئی کہ مسرف کے لیے تو صرف :

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (۷ : ۳۱)

خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

فرمایا اور ''تبذیر'' کے مرتکبین کو :

كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ (۱۷ : ۲۷)

ضائع کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

کہہ کر شیطان کی اخوان واوقارب میں شمار کیا گیا۔

تصدیق قرآنی

اسراف اور تبذیر کا یہ فرق خود قرآن کریم سے ماخوذ ہے، تفسیر بالرائے نہیں ہے۔ یہ دونوں لفظ جہاں جہاں بولے گئے ہیں اگر ان کا استقصاء کیا جائے تو خود بخود یہ فرق ظاہر ہو جائے گا۔ مثلاً :

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (۷ : ۳۱)

کھاؤ اور پیو لیکن اسراف نہ کرو۔ اللہ اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

بھوک اور پیاس میں غذا اور پانی کا صرف، ایک بالکل صحیح مصرف کا خرچ ہے اور اشیاء کا بے موقع خرچ کرنا نہیں ہے، غذا کھانے ہی کے لیے ہے اور پانی پینے ہی کے لیے، لیکن اگر حد خواہش اور ضرورت سے زیادہ کھایا جائے، یا ان کی تیاری اور طریق اکل وشرب میں بے جا روپیہ خرچ کیا جائے تو یہ اسراف ہو جائے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ اسراف مت کرو۔

لیکن ایک دوسرے موقع میں صورت خرچ اشیاء اس سے مختلف تھی:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (۱۷ : ۲۶)

اور اقارب کا حق ان کو دو، نیز مسکین اور مسافر کے حقوق ادا کرو اور دولت کو بے جا ضائع مت کرو۔

یہاں چونکہ مقصود یہ تھا کہ دولت کا مصرف صحیح، اعزا اقارب وغیرہ کے حقوق ادا کرنا ہے، پس دوسرے کاموں میں اس کو بے موقع خرچ نہ کرو: اس لیے اسراف نہیں کہا بلکہ تبذیر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔

رجوع الی المقصود

حاصل سخن یہ ہے کہ گناہ، معصیت، فسق، جرم، اور ہر وہ شے جس کا شمار برائیوں اور بدیوں میں ہے، فی الحقیقت بے اعتدالی اور افراط وتفریط ہی کا نام ہے۔ اس کے مقابلے میں نیکی اور خیر کو صرف ایک ہی لفظ ''عدل'' سے تعبیر کیجئے کہ ہر وہ شئے جس میں عدل پایا جائے، یقیناً نیکی اور عمل خیر ہے۔ قرآن ہر جگہ ہر طرح کے محاسن وفضائل کو اسی جامع و مانع لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔

مقام عدل

اِس کی اصطلاح میں صراط المستقیم، توازن قسط، میزان الموازین، قسطاس المستقیم اور عدم تطفف اور اسی طرح کے بیسیوں الفاظ اسی ایک مقام عدل سے عبارت ہیں وہ ہر جگہ اور ہر تعلیم میں ''لَا تَعْتَدُوْا'' (زیادتی مت کرو) اور ''اِعْدِلُوْا'' (عدل کرو) کے اصول کی دعوت دیتا ہے، اور اسی راہ عدل کو اقرب الی التقوی بتلاتا ہے۔ اس کی تعلیم کا خلاصہ ہر شئے میں۔ خواہ وہ اس کی عبادت اور بندگی اور خواہ اس کی راہ میں خیرات وبخشش ہی کیوں نہ ہو، یہ ہے :

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (۱۷ : ۲۹)

اور اپنا ہاتھ نہ تو اس طرح سکیڑو کہ گویا گردن میں بندھ گیا ہے اور نہ بالکل پھیلا ہی دو، ورنہ تم خالی ہاتھ بیٹھے رہ جاؤ گے اور لوگ تم کو ملامت کریں گے۔

ہر کام کے لیے اس آیت میں اعتدال کی ایک جامع مثال بیان کردی گئی ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے مقصود قیام عدل ہے

پس جیسا کہ ہم نے ابتدا میں اس طرف اشارہ کیا تھا، جس جماعت کا فرض دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہوگا، وہ دنیا میں ایک ایسی طاقت ہوگی جو صرف نیکی ہی کی خاطر دنیا میں بھیجی گئی ہے اور چونکہ نیکی عبارت ہے عدل سے، اور بدی اس کے عدم سے، اس لیے فی الحقیقت وہ عدل کو قائم رکھنے والی اور ہر افراط وتفریط کو۔ کہ بدی اور گناہ ہے۔ روکنے والی جماعت ہوگی۔

عدل واعتدال کی حقیقت

اب عدل کی حقیقت پر غور کیجئے تو وہ فی الحقیقت ہر شے کی وسطی اور درمیانی حالت کا نام ہے۔ کسی ایک طرف جھک پڑے تو یہ افراط وتفریط ہے، لیکن ٹھیک ٹھیک درمیان میں اس طرح کھڑے رہیے کہ بال برابر جگہ بھی کسی طرف زیادہ نہ بچی ہو تو اس کا نام اعتدال اور عدل ہوگا۔ قرآن کریم نے اس کی نہایت عمدہ مثال دی ہے، ایک جگہ فرمایا :

وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا

(۱۷ : ۳۵)

جب کسی چیز کو تولو، تو ترازو کی ڈنڈی سیدھی رکھو (تا کہ وزن میں دھوکا نہ ہو) یہی طریق خیر اور نیک انجام ہے۔

دوسری جگہ ایک سورت اس جملے سے شروع کی ہے :

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ (۸۳ : ۱)

ماپ تول میں کم دینے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے۔

ترازو کی مثال

عدل کے لیے سب سے زیادہ مشاہدے میں آنے والی اور عام فہم مثال ترازو کی تھی، کہ اس کے تمام اعمال کی صحت کا دارومدار محض اس کے اوپر کی سوئی پر ہے، جب تک وہ ٹھیک ٹھیک اپنے وسط میں قائم نہ ہو جائے وزن کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا، جوں ہی دونوں پلوں کا وزن مساوی ہوگا، معاً سوئی بھی وسط میں آ کر ٹھہر جائے گی۔

وسط سے مراد عدل

اسی لیے قرآن نے اکثر مقامات میں ترازو کی مثال سے کام لیا ہے، اور قیامت کے دن بھی انسانی اعمال کا فیصلہ اسی کے ہاتھ ہوگا:

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ (۱۰۱:۶-۹)

تو جس کے اعمال کے، وزن بھاری نکلیں گے، وہ دل پسند عیش میں ہوگا۔

اور جس کے وزن ہلکے نکلیں گے اس کا مرجع ہاویہ ہے۔

یہی سبب ہے کہ وسط کو عدل کے معنی میں بولا جاتا ہے اور فی الحقیقت:

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا کُمْ اُمَّةً وسَطاً (۲:۱۴۳)

میں بھی وسط سے مراد عدل ہی ہے۔

سب سے عادل جماعت

جس جماعت کا فرض امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو، اس سے بڑھ کر اور کونسی جماعت عند اللہ اور عند الناس عادل ہو سکتی ہے؟ پس خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ: ہم نے تم کو تمام دنیا کے لیے ایک عدل قائم کرنے والی امت

بنایا تاکہ دنیا کے لیے تم ایک گواہ عادل کی حیثیت سے شہادت دے سکو۔

خود قرآن مجید بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے۔ ایک موقع پر فرمایا کہ: قَالَ اَوْسَطُهُم اور وہاں بلا اختلاف "اَوْسَطُهُمْ" سے مراد "اعدلهم" ہی ہے، امام رازیؒ نے بروایت قفال ایک حدیث بھی درج کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس آیت کی یوں تفسیر فرمائی: امة وسطا ای عدلا ۔ اس کے علاوہ مشہور حدیث: خیر الامور اوسطها میں بھی اوسط بمعنی اعدل استعمال کیا گیا ہے، یعنی بہتر کام وہ ہیں جو ان میں مطابق عدل ہوں۔ آنحضرت ﷺ کی نسبت کہا جاتا تھا کہ: اوسط قریش نسبا اور یہاں بھی ظاہر ہے کہ اوسط، اعدل ہی کے معنی میں بولا گیا ہے اور اس بنا پر اس آیت سے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے کہ جب امت کی عدالت نص سے ثابت ہوگئی، تو اس کا اجماع یقیناً گمراہی و فساد سے محفوظ ہوگا۔

پہلی اور دوسری آیت میں تطبیق

پہلی اور دوسری دونوں آیتوں میں خدا تعالیٰ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرض کا ذکر کیا ہے، لیکن پہلی آیت میں بظاہر الفاظ تمام امت کے لیے نہیں، بلکہ امت میں سے ایک جماعتِ خاص کے لیے اس کا فرض ہونا معلوم ہوتا ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

(۳: ۱۰۴)

تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے اور نیکی کا حکم دے۔

لیکن دوسری آیت میں کسی جماعت کی تخصیص نہیں ہے، تمام امت کا امتیاز ملی اسی فرض کو قرار دیا ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ (۳ : ۱۱۰)

تم سب میں بہتر امت ہو، اس لیے کہ نیکی کا حکم دیتے ہو۔

دونوں آیتیں ایک ہی سورۃ اور ایک ہی رکوع میں ہیں، پھر دونوں میں اختلاف کیوں ہے؟ پہلی میں یہ فرض محدود و مخصوص اور دوسری میں عام ہے۔

مفسرین کی غلط توجیہہ

عام خیال یہ ہے کہ پہلی آیت میں خدا تعالیٰ نے جن فرائض کا ذکر کیا ہے، ان میں سے ہر فرض اپنی تکمیل کے لیے علم کا محتاج ہے۔ دعوت الی الخیر کے لیے ضرور ہے کہ اعمال خیر کا علم ہو، امر بالمعروف کیونکر انجام پا سکے گا جبکہ وہ کام معلوم نہ ہونگے جن پر معروف کا اطلاق ہوسکتا ہے؟ نہی عن المنکر تو اور زیادہ علم و فضل اور درس و تدریس کا محتاج ہے، کیونکہ منکرات میں تمام محرمات و مکروہات فقہیہ داخل ہیں اور جب کہ ان کا علم نہ ہو، کیونکر ان سے روکا جا سکتا ہے؟

اس تفسیر کی بناء پر فیصلہ کرلیا گیا ہے کہ اس آیت "وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ" میں "من تبعیض" کے لیے آیا ہے، اس سے صرف ایک گروہ محدود (علماء) مراد ہے اور یہ تینوں باتیں صرف انہی کے فرائض میں داخل ہیں۔

علماء نے اس فرض عام کو اپنے لیے مخصوص کرلیا

لیکن درحقیقت یہ خیال عملاً اور اعتقاداً ایک ایسی خطرناک غلطی تھی جس کو نہیں سمجھتا کہ کن لفظوں سے تعبیر کروں؟ اس تیرہ سو برس میں اسلام کو ان تمام غلط فہمیوں سے سابقہ پڑا جو اس سے پہلے امم سابقہ کو پیش آ چکی ہیں، لیکن کسی سخت سے سخت تحریف نے بھی مسلمانوں کو ایسا لاعلاج نقصان نہیں پہنچایا، جیسا اس غلطی سے پہنچا اور پہنچ رہا ہے۔ اسلام کی وہ دعوت

الٰہی جو ایک عالمگیر اصلاح اور بین الملی جامعہ کے قیام کے لیے آئی تھی، اسی غلط فہمی سے زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکی۔ خلافت و نیابت الٰہی کا وہ شرف، جو مسلمانوں کو عطا کیا گیا تھا اور جس کی وجہ سے بہ حیثیت ملی وہ تمام عالم میں خدا کا مقدس دست عمل تھے، بدبختانہ اسی غلط فہمی سے خاک میں ملا۔

مشرکانہ اختیارات

روسائے روحانی اور پیشوایان مذہب نے جو مشرکانہ اختیارات اپنے لیے مخصوص کر لئے تھے اور جن کی غلامی سے دنیا کو نجات دلانا اس دین الٰہی کا اصلی مشن تھا، اس کی بیڑیاں پھر اسی غلط فہمی کی لعنت سے مسلمانوں کی پاؤں میں پڑیں اور ایسی پڑیں کہ اب تک نہ نکل سکیں۔ چالیس کروڑ فرزندان الٰہی، جن کو اپنے اعمال حسنہ سے دنیا میں خدا کی تقدیس کا تخت جلال بننا تھا، آج اپنی بداعمالیوں سے تمام قومی جرائم اور ملی معاصی میں گرفتار ہیں اور قہر الٰہی کو مدتوں سے دعوت دے رہے ہیں۔

یہ وہی معاصی ہیں، جن کی پاداش میں اقوام گذشتہ سے خدا نے اپنا رشتہ توڑا تھا، جن کی وجہ سے (داؤد علیہ السلام) کے بنائے ہیکل سے روٹھ کر رحمت الٰہی نے (اسماعیل علیہ السلام) کی چنی ہوئی دیواروں کو اپنا گھر بنایا تھا، اور پھر جن کی وجہ سے بنی اسرائیل کو اپنی نیابت سے معزول کر کے مسلمانوں کو اس پر سرفراز کیا تھا:

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا، كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ. (١٠ : ١٣-١٤)

اور تم سے پہلے کتنی قومیں گذر چکی ہیں کہ جب انھوں نے ظلم و معاصی پر کمر باندھی تو ہم نے انھیں ہلاک کر دیا۔ ان کے رسول کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے مگر انھیں ایمان نصیب نہیں ہوا، مجرموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر ان کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے تم کو دنیا کی پادشاہت دے کر ان کا جانشین بنایا تاکہ دیکھیں کہ کیسے عمل کرتے ہو؟

مگر یہ بدبختی بھی صرف اسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔

تحدید دعوت کی حد ہوگئی!

لیکن یہ سب کچھ کیونکر ہوا؟ اس طرح کہ اعتقاد ہی سے عمل وجود پذیر ہوتا ہے، اس غلط فہمی کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ امر بالمعروف جو دراصل ہر فرد اسلامی کا فرض تھا، اور صحابہ کرامؓ کی زندگی اس کی عملی شہادت ہمارے سامنے ہے: وہ روز بروز ایک محدود دائرے میں سمٹتا گیا اور سمٹتے سمٹتے ایک غیر محسوس نقطہ بن کر رہ گیا، اب اس کے وجود میں بھی شک ہے۔

دنیا کے تمام مذاہب کے انحطاط و ہلاکت کی ایک بڑی علت رؤساءِ مذہبی کا معبودانہ اقتدار ہے، اسلام نے اس زہر کا تریاق اسی اصل اصول کو تجویز کیا تھا کہ امر بالمعروف کی خدمت کو اس طرح عام اور ہر فرد ملت پر پھیلا دیا جائے کہ پھر کسی مخصوص گروہ کو اس کے ذریعہ سے اقتدار حاصل کرنے کا موقع نہ ملے اور ہندوؤں کے برہمنوں اور عیسائیوں کے رومن کیتھولک فادروں کی طرح، مذہبی دعوت و اصلاح کو کوئی جماعت اپنی اقلیم حکمرانی نہ بنا لے کہ: **یفعل مایشاء و یحکم ما یرید** (جو چاہے کرے اور جس کا دل چاہے حکم دے) !

لیکن اب صدیوں سے دیکھیے تو مسلمان جن پیڑوں کو کاٹتے آئے تھے، ان سے خود ان کے پاؤں بوجھل ہو رہے ہیں۔ اس فرض الٰہی کو (علماء) نے اپنا موروثی حق بنا لیا ہے جس

میں اور کسی فرد کو دخل دینے کی اجازت ہیں۔ شیطان (اپنی قدیمی عادت کی طرح) جب ضرورت دیکھتا ہے ان کو اپنے اعمال ابلیسانہ کے لیے آلہ کار بنالیتا ہے اور (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) کی جگہ (امر بالمنکر و نہی عن المعروف) کے فرائض ان کے ہاتھوں انجام پاتے ہیں۔ باقی تمام قوم اپنے اس فرض کی طرف سے غافل و بے خبر ہے اور جہل مذہبی کے سبب سے (علماء) کے اس غصبِ حقوقِ عامہ پر قانع ہوگئی ہے۔ خدا کی حکومت کوئی بھی اپنے اوپر محسوس نہیں کرتا، نیکیوں کی طرف سے سب کی آنکھیں بند ہیں، اور برائیوں پر سے ہر شخص اس طرح گذر جاتا ہے گویا اس کو کان سننے کے لیے اور آنکھیں دیکھنے کے لیے ملی ہی نہیں:

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ، وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ (۲۲:۴۶)

حقیقت یہ ہے کہ (جب کوئی اندھے پن میں پڑ جاتا ہے تو) آنکھیں اندھی نہیں ہوجایا کرتیں (جو سروں میں ہیں)، دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر پوشیدہ ہیں۔

دونوں آیتوں کا منشاء ایک

حقیقت یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں کوئی اختلاف نہیں دونوں کا منشاء ایک ہے اور دونوں اس فرض کو بغیر کسی تخصیص و تحدید کے ہر قائل کلمۂ توحید کا فرض قرار دیتی ہیں، البتہ پہلی آیت میں "وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ" کا لفظ اشتباہ پیدا کرتا ہے کہ مِنْكُم بیان تبعیض کے لیے ہے، یعنی تم میں سے بعض لوگوں کی ایک جماعت اس فرض کو اپنے ذمے لے لے لیکن چونکہ آگے چل کر دوسری آیت نے اس فرض میں تمام امت کو شامل کرلیا ہے، اس لیے یہاں "مِنْكُمْ" کو تبعیض کے لیے قرار دینا ہی غلط ہے، بلکہ وہ یقیناً توضیح و تبئیین کے لیے آیا ہے، جیسا ہر زبان کے محاورے میں عموماً بولا کرتے ہیں، مثلاً عربی میں کہیں گے:

لامیر من غلمانه عسکر. ولفلان من اولاده جند

یعنی امیر کے لڑکوں سے فوج کے سپاہی ہیں اور فلاں شخص کی اولاد سے لشکر مرتب ہو رہا ہے، تو اس سے امیر کے تمام لڑکے مراد ہونگے نہ کہ بعض۔

مِن برائے افادۂ معنی تبئیین

خود قرآن میں ایک موقع پر فرمایا ہے کہ :

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ (۳۰:۲۲)

مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بتوں کے علاوہ اور کسی شئے کی ناپا کی سے پرہیز نہ کیا جائے۔ غرضیکہ یہاں ''مِنْ'' افادۂ معنی تبیین کرتا ہے نہ کہ تبعیض۔ (امام رازیؒ) نے دوسرے قول کو بیان کرتے ہوئے اس پر کافی بحث کی ہے۔

فمن شاء التفصيل فليرجع اليه (جلد ۲ : ص ۲۲۸)

مسلمانوں کی کامیابی کا راز

لیکن اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے ہم قرآن مجید کی ایک اور آیت اس مضمون کے متعلق پیش کرتے ہیں۔ اگر امام رازیؒ نے اس آیت کو بھی پیش نظر رکھا ہوتا تو ان کو متعدد آراء توجیہات کے لاحاصل نقل کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ سورۂ حج کے پانچویں رکوع میں خدا تعالیٰ نے کافروں کے ان مظالم کی طرف اشارہ کیا ہے، جن سے آغاز اسلام کے مسلمانوں کو سامنا ہوا تھا۔ پھر دفاع و حفظ نفس کے لیے قتال کی اجازت دی ہے اور اس کے بعد کہا :

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (۲۲ : ۴۱)

اگر ہم ان (مظلوم مسلمانوں) کو (حکومت اور خلافت دے کر زمین میں قائم کردیں تو وہ نہایت اچھے کام انجام دیں گے یعنی نماز پڑھیں گے، زکوٰۃ دیں گے، لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے اور سب کا انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔

یہ آیت اس بارے میں بالکل صاف اور فیصلہ کن ہے۔ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیاب کرنے کی علت یہ بیان کی ہے کہ وہ زمین پر حکمران ہونے کے بعد اچھے اور نیک کاموں کو انجام دیں گے۔ پھر ان کاموں کی بالترتیب تشریح کی ہے اور سب کو مسلسل عطف کے ساتھ بیان کیا ہے، جو معطوف اور معطوف علیہ میں تسویہ ثابت کرتا ہے۔

تلخیص مضمون

پہلے نماز کا ذکر کیا ہے، پھر زکوٰۃ کا اور یہ دونوں عمل ہر جگہ قرآن میں ایک ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نام آیا ہے۔ اور اسی سلسلہ اعمال میں، جس میں نماز اور زکوٰۃ بہ لحبہ وجوب وفرض بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ :

۱۔ مسلمانوں کو خدا نے جو نصرت وفتح اور دنیا میں کامیابی عطا فرمائی اس کی علت یہ تھی کہ تا کہ وہ اعمال حسنہ انجام دیں۔

۲۔ وہ اعمال حسنہ (علی الخصوص) قیام نماز، ادائے زکوٰۃ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہیں۔

۳۔ نماز اور زکوٰۃ ہر مسلمان پر فرض ہے پس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ہر مسلمان کے فرائض میں داخل ہے۔

تاریخ مذاہب میں آخری انقلاب

عمل واعتقاد

گو یہ متحقق ہو گیا کہ اسلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنے ہر پیرو پر فرض کر دیا ہے، لیکن اصل بحث ابھی باقی ہے۔ اس تعلیم کو اصولاً و اعتقاداً کون نہیں مانتا؟ لیکن اخلاق اور مذہب کی ہر تعلیم میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اعتقاد اور عمل دو مختلف چیزیں ہیں۔ جو اصول قابل عمل نہ ہو، وہ کاغذ کے صفحوں پر کتنا ہی دلفریب ہو مگر انسانی مصائب کے لیے کیا مفید ہو سکتا ہے؟ دیکھنا یہ ہے کہ دنیا اس اصول پر عمل بھی کر سکتی ہے یا نہیں؟

عملی زندگی

''اسلام'' یکسر عمل ہے، مذہبی تاریخ میں جو انقلابات ذہن و اصول سے عمل کی جانب ہوئے ہیں اور جن کی ابتدائی حالت کا مکمل نمونہ ''گوتم بدھ'' اور آخری صورت ''مسیحی تحریک'' تھی، اسلام اس کے انقلاب آخری کا نام ہے، جس کے بعد مذہب ایک خاص عملی قانون کی شکل میں مبدل ہو گیا اور وہ تمام چیزیں نکل گئیں، جو اس کی عملی طاقت کو مضرت پہنچاتی تھیں۔ پس اگر یہ سچ ہے کہ امر بالمعروف ایک اسلامی اصول ہے تو یہ بھی سچ ہے کہ وہ محض ایک ذہنی زندگی رکھنے والا اصول ہی نہیں بلکہ انسان کی عملی زندگی میں تبدیلی پیدا کرنے والا قانون ہے۔

حب و بغض اور عفو و انتقام

سب سے بڑی مشکل جو اس اصول کی عملی راہ میں پیش آتی ہے وہ اخلاقی تعلیمات کی دورنگی ہے، ایک طرف عفو درگذر اور محبت و عاجزی کی تعلیم ہے، دوسری طرف نیکی و بدی کے احتساب کی سختی اور انتقام و عقوبت ہے۔ خود قرآن کریم کی تعلیمات میں بھی یہی مشکل پیش آتی ہے۔ ایک طرف عفو و نرمی اور حکمت و موعظت کا حکم ہے، دوسری طرف سختی و انتقام اور تشدد و جبر کے احکام پر زور دیا گیا ہے۔

مستشرقین کی غلط فہمی

یورپ کے مورخین جب تعصب و جہل کی تاریکی میں اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس اختلاف تعلیم کی تہہ میں انھیں کچھ نظر نہیں آتا، پھر پریشان ہو کر اس اختلاف کو ''مکی'' اور ''مدنی'' زندگی کے اختلاف حالت کا نتیجہ بتلاتے ہیں کہ جب تک اسلام بے بسی اور محتاجی کی حالت میں تھا، نرمی اور عفو و درگذر کی تعلیم سے زندگی کا سہارا ڈھونڈھتا تھا۔ لیکن مدینہ میں آ کر جب تلوار ہاتھ آ گئی تو پھر حکومت اور طاقت کی حالت میں عاجزی و مسکنت کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن :

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ (۹ : ۴۲)

اور اللہ جانتا ہے کہ وہ قطعاً جھوٹے ہیں۔

عفو و انتقام کا اصل اصول

اس بحث کا یہ موقع نہیں، لیکن اسلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو جس اصول پر قائم کیا ہے، وہ حسب ذیل ہے :

فقہاء کا ایک عمدہ اصول ہے کہ "اصل ہر شے کی اباحت ہے تا آنکہ کوئی سبب حرمت پیدا نہ ہو" انگور کا عرق فی نفسہ ایک مفید اور عمدہ شے ہے، لیکن جب اس میں نشہ پیدا کر دیا جائے اور نشہ کی وجہ سے انسان کے دماغ اور اخلاق کو نقصان اور اس نقصان کی وجہ سے امن عامہ میں خلل اور سوسائٹی کا ہرج ہو تو وہ پھر حرامِ قطعی ہے۔

قانون عام کی حکومت

بالکل اسی طرح اخلاق میں بھی اصل عمل "محبت" ہے، تا آنکہ کوئی سبب لاحق ہو کر "بغض" سے تبدیل نہ کر دے۔ یعنی دنیا میں ہر شے محبت کے زیر قانون ہے اور کوئی نہیں جو محبت و پیار کا مستحق نہ ہو، لیکن اس محبت کے اوپر بھی ایک قانون عام کی حکومت ہے، یعنی "نفع رسانی اور حقوق العباد کی نگہداشت" پس اگر کوئی علت ایسی پیدا ہو جائے جس کے سبب سے محبت کی صورت اپنی محبوبیت کو مسخ کر دے، تو پھر ہر محبوب شئے کو اپنی نظروں میں مبغوض بنا لو، اور جس قدر محبت کی راہ میں محبت کا جوش رکھتے تھے، محبت ہی کے خاطر بغض کی راہ میں بغض کا جوش ظاہر کرو۔

منشائے قانون

غور کرو، قانون دنیا میں کیا چاہتا ہے؟ محبت یعنی امن کو قائم کرنا، لیکن محبت کی خاطر عداوت، اور امن کی خاطر بدامنی اس کو بھی کرنی ہی پڑتی ہے۔ اس کی انتہائی آرزو یہ ہے کہ انسان کی زندگی کو مہلکات سے نجات دے، لیکن زندگی بخشنے کے لیے اسے موت ہی کے حربے سے کام لینا پڑتا ہے، انسانوں کو پھانسی پر چڑھا کر مارتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ اس لیے ہے تا کہ انسان گلا گھونٹ کر نہ مارے جائیں۔

قتل کی قتل سے روک تھام

پارلیمنٹ اور جمہوریت، امن اور آزادی مانگتی ہے، مگر امن کی خاطر اسے شخصی حکومت میں بدامنی پیدا کرنی پڑتی ہے اور آئندہ قتل روک دینے کے لیے بہتوں کو قتل کرنا پڑتا ہے۔

تعلیم قرآنی کی بنیاد

قرآن نے حب و بغض اور نرمی و سختی کے اصول کو اسی بنیاد پر قائم کیا ہے، اس کی عام تعلیم یہ ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِیْنَ وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ اِنَّہٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ

(۷:۱۹۹۔۲۰۰).

خطاؤں سے درگذر کر، اچھی باتوں کا حکم دے، اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جا اور (اے پیغمبر!) تیرے دل میں اگر انتقام اور بدلہ لینے کا ولولہ پیدا ہو تو خدا سے پناہ مانگ، وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

عاجزی و فروتنی کا وعظ

ایک دوسرے موقع پر احسان عام اور عاجزی و فروتنی کو اس پیرایہ میں فرمایا:

وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا کُلُّ ذٰلِکَ کَانَ سَیِّئُہٗ عِنْدَ رَبِّکَ مَکْرُوْھًا (۱۷ : ۳۸)

زمین پر اکڑ کر نہ چلا کرو، اس طرح چل کر زمین کو پھاڑ تو سکتے نہیں اور نہ تن کر چلنے سے پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتے ہو، یہ تمام باتیں خدا کو ناپسند ہیں۔

عبادالرحمٰن کی مدح سرائی

سورۂ فرقان میں اپنے نیک بندوں اور سچے مومنوں کی جہاں خصلتیں گنائی ہیں، وہاں پہلا وصف یہ کہا:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (۲۵: ۶۳)

اور رحم کرنے والے خدا کے رحم طینت بندے وہ ہیں جو زمین پر نہایت فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے جہالت کی باتیں کرتے ہیں تو سلام کرکے الگ ہو جاتے ہیں۔

سورہ شوریٰ میں ایک ایسے ہی موقع پر مومن کا سب سے بڑا وصف یہ قرار دیا ہے کہ :

وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ (۴۲: ۳۷)

اور جب ان کو غصہ آ جاتا ہے تو خطاؤں سے درگذر کرتے ہیں۔

احسان عام کا استقصاء

اصطلاح قرآن میں ''عزم امور'' ایک انتہائی وصف ہے جو انبیائے جلیل القدر کی مدح میں آیا ہے لیکن عفو و صبر کرنے والے کے لیے بھی اسی کو استعمال کیا:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ. (۴۲: ۴۳)

اور جو صبر کرے اور خطاؤں کو بخش دے تو بے شک یہ بڑے ہمت کے کام ہیں۔

احسان عام کی ان تعلیمات کا استقصاء کیا جائے تو اس طرح کی بیسیوں آیتیں اور ملیں گی۔

انتقام و بدلہ کا جواز

فقدان علت کا باعث

یہ تعلیم تو عام اور گویا اصل اخلاقی کا حکم رکھتی ہے، لیکن جب عوارض سے حالات متغیر ہو جائیں، اور عفو و درگذر کی جو علت تھی (یعنی نفع خلائق اور عدم مضرت رسانی) عفو و درگذر سے خود وہ مفقود ہونے لگے تو اس حالت میں پھر بہ شرائط عدل و وسطیت، انتقام اور بدلے کی سختی کو جائز کر دیا :

وَجَزَآؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (۴۲: ۳۸)

اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی سے کرو

آگے چل کر اس کو صاف کر دیا :

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِکَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ، اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (۴۲: ۴۲)

اور اگر کسی پر ظلم ہوا ہو اور وہ اس کے بعد بدلہ لے تو ایسے لوگ معذور ہیں ان پر کوئی الزام نہیں، الزام انھیں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور بغیر کسی حق کے سختی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔

دوسری مثال اس سے زیادہ واضح ہے۔

حکم کی عمومیت

عام حکم کفار و مخالفین کے ساتھ نرمی و رافت، عفو و درگذر اور بطریق احسن نصیحت و موعظت کا ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ. (۱۶: ۱۲۵)

خدا کی راہ کی طرف حکمت و وعظ کے ساتھ بلاؤ اور اگر بحث بھی کرو تو اس طرح کہ وہ پسندیدہ طریقہ ہو۔

دوسری جگہ مخصوص طور پر یہود و نصاریٰ کی نسبت کہا :

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْکِتَابِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔(۲۹: ۴۶)

اہل کتاب کے ساتھ بحث نہ کرو، مگر بطریق پسندیدہ۔

تخصیص حکم جہاد

لیکن پھر دوسرے موقعوں پر "جہاد فی سبیل اللہ" کو ایک فرض دین قرار دیا اور سورتوں کی سورتیں اس کے احکام کی نسبت نازل فرمائیں:

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ۔(۲ : ۱۹۰)

جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے قتال کرو۔

اسی آیت کے بعد فرمایا :

وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ (۲ : ۱۹۱)

ان کو جہاں پاؤ قتل کرو، اور جہاں سے انھوں نے تمہیں نکالا ہے، تم بھی انھیں نکال باہر کرو۔

پہلے عام طور پر نرمی اور آشتی کا حکم دیا تھا، لیکن قتل پر بھی بس نہ کرکے اب شدید سے شدید سختی پر زور دیا، حیث قال :

قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَکُمْ مِّنَ الْکُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَةً(۹ : ۱۲۳)

مسلمانوں ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے آس پاس (پھیلے ہوئے)
ہیں اور چاہیے کہ (جنگ میں) تمہاری سختی محسوس کریں (ورنہ جنگ، جنگ
نہیں)

دونوں تعلیموں کا منشاء

دونوں تعلیموں میں کس درجہ تبائن و تباعد ہے؟ مگر دراصل دونوں کا منشاء ایک ہی ہے پہلا حکم احسان عام، محبت عمومی اور اصل اخلاق پر مبنی تھا لیکن جب عوارض و لواحق سے حالات بدل گئے جس طرح پہلے انسان کی راحت اور جلب نفع کے لیے نرمی کا حکم دیا تھا، اسی طرح اور اسی مقصد سے یہاں سختی و قتل کا حکم دیا اور اس کی علت کو کھول کر بیان کر دیا کہ:

وَالْفِتْنَةُ اَشَدّ مِنَ الْقَتْلِ (۲ : ۱۹۱)

فساد، خوں ریزی سے بڑھ کر برائی ہے۔

علاج بالمثل

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ (۲ : ۱۹۳)

ان کو قتل کرو یہاں تک کہ ملک میں فساد باقی نہ رہے۔

جس طرح قانون قتل کی برائی کو روکنے کے لیے خود قتل کی برائی کو مجبوراً اختیار کرتا ہے، اسی طرح قرآن نے فتنہ و فساد سے ارض الٰہی کو پاک کرنے کے لیے تلوار سے مدد لینے تک کی اجازت دے دی ہے۔ بیشک نرمی اور نرم رفتاری کو خدا دوست رکھتا ہے، لیکن سخت گیروں اور ظالموں کو سختی سے باز رکھنے کے لیے جب تک سختی نہ کی جائے، نرمی قائم نہیں ہو سکتی۔ فتنہ و فساد اسے پسند نہیں، مگر فتنہ و فساد کو روکنے کے لیے اسے فتنہ سے علاج بالمثل کرنا پڑتا ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا (۲۲ : ۴۰)

اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے کی ہاتھ سے نہ ہٹواتا رہتا تو تمام صومعے اور گرجے اور تمام عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے، کبھی کی منہدم ہوگئی ہوتیں۔

تلوار کو کاٹنے کے لیے تلوار بلند کرنا

یعنی مقصد الٰہی شفقت و رحمت و احسان ہے، لیکن جب ایک گروہ اس کی زمین کو فتنہ و فساد سے آلودہ کرتا ہے، بغیر کسی جرم و قصور کے محض عبادت الٰہی کی وجہ سے اس کے نیک بندوں پر ظلم و سختی کرتا ہے، ان کو گھروں سے نکالتا ہے، اللہ کی عبادت گاہ میں جانے سے روکتا ہے، پھر وہ جب اپنا گھر بار چھوڑ کر، وطن سے بے وطن ہو کر، ایک دوسرے شہر میں پناہ لیتے ہیں تو وہاں بھی اگر چین سے بیٹھنے نہیں دیتا، تو ان حالتوں میں مجبور ہو کو پیغمبر کو فتنہ روکنے، مظلوموں کو بچانے، شعائر الٰہی کی حفاظت اور حرمت کو قائم رکھنے اور رافت و رحمت سے دنیا کی محرومی کو ہٹانے کے لیے سختی سے کام لینا پڑتا ہے اور تلوار کو کاٹنے کے لیے تلوار بلند کی جاتی ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (۲ : ۱۴۳)

اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے۔

قیام عدل کی ناقدانہ صورت

مسلمانوں کو تعلیم ربانی

خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنی خلافت اور نیابت بخشی تھی پس ضرور تھا کہ وہ بھی صفات الٰہی سے متصف اور متخلق باخلاق الٰہی ہوں۔ خدا رحیم اور محبت کرنے والا ہے، پس حکم دیا گیا کہ :

اِرْحَمُوْا عَلٰی مِنْ فِی الْاَرْضِ اَرْحَمُکُمْ مَّنْ فِی السَّمَاءِ

زمین پر رحم کرو، تا کہ وہ جو آسمان پر ہے تم پر رحم کرے۔

لیکن رحیم ہونے کے ساتھ وہ عادل بھی ہے، پس رحم و محبت بھی میں عدل اور وسط کا ہونا ناگزیر تھا۔

اس بناء پر تعلیم دی گئی کہ جب افراط و تفریط حد سے بڑھ جائے تو افراط کو روکنے کے لیے تم بھی افراط کرو۔ صفرا بڑھ گیا ہے تو تم بھی بہت زیادہ ترشی کھلا دو اور تم پر تلوار اٹھائی گئی ہے تو اسے تلوار ہی سے کاٹو۔ تم ذلیل کئے گئے ہو تو تم بھی ذلیل ہی کرو تا کہ تسویہ و اعتدال پیدا ہو۔ یہ سب کچھ عین رحم و محبت ہے، نہ کہ سختی و جبر۔

ڈاکٹر مریض کے عزیز سے کم مریض پر مہربان نہیں، اس کے تلوے میں کانٹا چبھ کر چبھن پیدا کر رہا ہے، لیکن اس چبھن کے دور کرنے کے لیے نشتر کے نوک کی چبھن ہی سے اسے کام لینا پڑے گا۔

نظام عالم کے قوانین اساسی

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (۵۷ : ۲۵)

ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی کھلی نشانیوں کے ساتھ مبعوث کیا اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو بھیجا تا کہ لوگ عدل و انصاف پر قائم ہوں اور نیز لوہا پیدا کیا (جو ہتھیاروں کی شکل میں) سخت خطرناک بھی ہے او ساتھ ہی بہت سی منفعتیں بھی انسانوں کے لیے اپنے اندر رکھتا ہے۔

اس آیت میں قرآن نے پوری تشریح کے ساتھ نظام عالم کے قوانین اساسی کو بیان کر دیا ہے۔ خدا ہدایت و اصلاح کے لیے انبیاء کو بھیجتا ہے اور ان کو میزان ''قیام عدل کی ناقدانہ قوت'' دیتا ہے، تاکہ دنیا میں اللہ کے عدل کو قائم کر دیں، لیکن چونکہ اس کے لیے اکثر اوقات قہر و عقوبت کی ضرورت تھی، اس لیے ان کو عدل قائم کرنے کے لیے جنگ و قتال کی بھی اجازت دی، اور لوہا پیدا کیا، جو طرح طرح کے ہتھیاروں کی اشکال اختیار کرتا ہے، پس وہ مضر بھی ہے اور مفید بھی۔

اسلام کی ارتقائے روحانی

تشبُّہ باللہ و تخلق با خلاق اللہ

پس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی صفات الٰہیہ میں سے ایک صفت ہے۔ اسلام انسان کے آگے ایک ارتقائے روحانی کی راہ کھولتا ہے جو گو عبدیت کے مقام تذلل و تکبر سے شروع ہوتی ہے مگر اس کا انتہائی نقطہ تشبہ باللہ (یعنی خدا کی صفات سے مشابہت پیدا کرنے کا مقام) ہے۔ اور اسی طرح اس مشہور حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ : ''تخلقوا باخلاق اللّٰہ'' ''خدا کا اخلاق اپنے اندر پیدا کرو'' پس ضرور تھا کہ جس ملت کو خدا نے دنیا میں اپنی نیابت اور خلافت بخشی تھی، وہ بھی اس صفت الٰہی سے متصف ہوتی۔

خوشی اور نارضامندی کا اعلان

خدا اطاعت و عبادت سے (یعنی ہر ایسے کام سے جو قوائے فطریہ کا صحیح استعمال ہو) خوش ہوتا ہے، پس ایک انسان مومن کو بھی خوش ہونا چاہیے۔ خدا کفر و ضلالت اور بداعمالی سے (یعنی ان تمام کاموں سے جو قوائے فطریہ کا اسراف و تبذیر ہوں) ناخوش ہوتا ہے اور

اپنی نارضامندی کا اظہار کرتا ہے، پس مومن و مسلم کو بھی ناخوش ہونا چاہیے اور اپنی نارضامندی کا اعلان کرنا چاہیے۔

عدل خداوندی

خدا عادل ہے اور رحم و محبت، نرمی و آشتی میں بھی اسراف اور تبذیر پسند نہیں کرتا۔

اگر ''بائبل کا ابن اللہ''، رحم محض کا مجسمہ ہے اور عدل کے ترازو کو ہاتھ میں لینا نہیں چاہتا تو نہ لے، مگر چھوئے بغیر تو اسے بھی چارہ نہیں۔ اس نے تمام انسانی جرائم و معاصی کو شان محبت کے جوش میں معاف کر دینا چاہا، لیکن پھر بھی بدی کو قابل عقوبت ثابت کرنے کے لیے تمام ابن آدم کو نہ سہی، مگر اپنے عزیز بیٹے کو تو تین دن تک لعنت میں گرفتار رکھ کر خونی مجرموں کی طرح سولی پر چڑھانا ہی پڑا۔

عادلانہ خلافت کا قیام

یہ ناگزیر ہے، دنیا کے لیے محبت کی صورت موہنی، ہو مگر افسوس کہ سودمند نہیں۔ عدل کی پیشانی پر اگرچہ خوشنمائی کی بلندی کی جگہ سختی و خشونت کی لکیریں ہیں، لیکن دنیا کا تمام نظام صرف اسی کے دم سے ہے۔

پس خدا نے اپنی ملت کو بھی اپنے ہی صفات کی دعوت دی اور اپنی شان عدل کی طرح اس کو بھی ''اُمَّةً وَسَطًا'' قرار دیا، تاکہ وہ اس کی زمین پر ایک عادلانہ خلافت ہو اور اس کی طرح کسی جذبے میں نہ تو اسراف کرے (یعنی رحم کے موقع پر رحم کو اور سختی کے موقع پر سختی کو اس کی ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا) اور نہ تبذیر کا طریقہ اختیار کرے (یعنی رحم کی جگہ قہر اور قہر کی جگہ رحم)۔

مقام محبت الٰہی

مقام محبت الٰہی اور "یحبھم و یحبونہ"

یہی راز ہے کہ خدا نے تمام قوموں کو اپنے اپنے دور میں اپنی خلافت بخشی اور ہر صالح جماعت کو اس ورثہ الٰہی کا حقدار بنایا :

اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصَّالِحُوْنَ (۲۱ : ۱۰۵)

زمین کی وراثت انہی بندوں کے حصہ میں آئے گی جو نیک ہوں گے۔

مگر کسی کو اپنی محبوبیت اور معشوقیت کا درجہ عطا نہیں فرمایا۔ حضرت (داؤد) علیٰ نبینا و علیہ السلام کی نسبت ضرور کہا کہ :

یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ (۳۸ : ۲۶)

اے داؤد! ہم نے تم کو زمین پر اپنی خلافت بخشی۔

علامت امت مسلمہ

بنی اسرائیل بھی مدتوں اس پر سرفراز رہے، لیکن ان کی نسبت یہ کہیں نہیں کہا کہ وہ خدا کے دوست اور محبوب بنائے گئے تھے۔ یہ اس امت مرحومہ کی مزیت خصوصی تھی کہ :

فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗ (۵ : ۵۴)

عنقریب اللہ ایک ایسا گروہ پیدا کرے گا جن کو وہ اپنا محبوب بنائے گا اور وہ خدا کو محبوب رکھیں گے۔

لیکن اس جماعت کی علامت یہ بتلائی کہ :

اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ، اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکَافِرِیْنَ یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ (۵ : ۵۱)

مومنوں کے ساتھ نرم، مگر کافروں کے ساتھ سخت، اللہ کی راہ میں اپنی جانیں

لڑا دے گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہ کھائیں گے۔

ایک نکتۂ عجیب

یہ مختصر آیت اس مشکل کا پورا حل ہے۔ مومن محبوب الٰہی ہے۔ کیونکہ ایمان باللہ سے بڑھ کر محبت الٰہی کے لیے اور کونسی شئے جالب ہوسکتی ہے؟ لیکن خدا نے اپنی محبت کے ساتھ طرف مقابل کی محبت کا بھی ذکر کیا کہ: ''میں انھیں چاہتا ہوں اور وہ مجھے چاہتے ہیں''۔ '' یُحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَه'' اور یہاں ارباب ذوق کے لیے ایک نکتۂ عجیب ہے۔

عشق مجازی اور حقیقی کی مثال

عشق وخود پرستی

حضرت (یوسف علیہ السلام) کے حالات میں یکسر عشق ومحبت ہی کا افسانہ ہے، مگر وہ محبت محض یک طرفہ تھی '' یُحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَه'' کی طرح دونوں طرف سے نہ تھی۔ صرف زلیخا ہی کی نسبت فرمایا کہ:

قَدْ شَغَفَهَا حُبّاً (۱۲ : ۲۳)

یوسف کا عشق اس کے دل میں جگہ پکڑ گیا

اسی کا نتیجہ تھا کہ زلیخا جو کچھ کرتی تھی، اپنے نفس کی خاطر کرتی تھی، یوسف علیہ السلام کی رضا جوئی مطلوب نہ تھی۔ جب عزیز مصر پر اصلیت منکشف ہوگئی تو ذلت ورسوائی سے بچنے کے لیے باوجود کمال استیلائے محبت وشغف خود ہی یہ صلاح دی کہ :

مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِکَ سُوْٓءً اِلَّآ اَنْ یُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۱۲ : ۲۵)

جو شخص تیری بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے، اس کی یہی سزا ہے کہ قید کیا جائے یا سخت عذاب میں گرفتار ہو۔

لیکن عشق وخود پرستی دونوں ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے، عشق کی تعریف یہ ہے کہ:

اَوَّلُهَا قَتْلٌ وَ اٰخِرُهَا حَرَقٌ

اس کی ابتدا قتل نفس ہے اور انتہا تمام خواہشوں اور ہوا و ہوس کا فنا

یہاں سب سے بڑی معصیت اپنے وجود کا حس اور اثبات ہے :

وجودک ذنب لایقاس به ذنب

محبت کا اصلی مقام

محبت کا اصلی مقام وہ ہے جہاں پہنچ کر نفس اپنے کو فنا کر دیتا ہے اور پھر دست محبوب میں محض ایک آلہ بے روح بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کا دل اس کے پہلو میں نہیں ہوتا، بلکہ محبوب کی انگلیوں میں ''یقبلها کیف یشاء'' {جس طرف چاہتا ہے پھرا دیتا ہے} محبت کا استغراق خود اس کو محبوب کے صفات و خصائل کا ایک دوسرا پیکر بنا دیتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے تو اسی کی نظر سے، اور سنتا ہے تو اسی کے کانوں سے۔ خود اس کی کوئی خواہش اور مرضی باقی نہیں رہتی۔ محبوب کی خواہش اس کی خواہش اور محبوب کی مرضی اس کی مرضی بن جاتی ہے۔

فناء نفس کی مثال

''زلیخا'' کو ابھی یہ درجہ حاصل نہیں ہوا تھا ورنہ اپنی ذلت و رسوائی کے خوف سے ''یوسفؑ'' کو بارہ برس تک قید خانے میں نہ دیکھتی۔ البتہ جب اس راہ میں ترقی کر گئی تو پھر ننگ و ناموس نفس کی زنجیریں خود بخود ٹوٹ گئیں اور پکار پکار کر کہنے لگی :

مَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِىۡ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوۡٓءِ (۱۲ : ۵۳)

اپنے نفس کو الزام سے نہیں بچاتی، بے شک میرا نفس برائی پر آمادہ کرنے والا ہے۔

ایک مومن کی شان

خدا نے اپنے مومن بندوں کو صرف اپنا ہی محبوب نہ کہا کہ یہ تو صرف زلیخائی ہوتی بلکہ "یُحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَه" فرمایا کہ میں اگر ان کو دوست رکھتا ہوں تو وہ بھی مجھ کو محبوب رکھتے ہیں۔ اس تعلق محبت کو محبّ و محبوبی اور عشق و معشوقی، دونوں سے مرکب بتایا، تاکہ مقام ایمان کی اصلی علامت اور خصوصیت ظاہر ہو جائے، اور ایمان باللہ فی الحقیقت اللہ کی محبت ہی کا نام ہے:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (۲ : ۱۶۵)

اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی خدا سے نہایت درجہ محبت ہوتی ہے۔

خلافت ارضی اور جانشینی الٰہی

محبت کی شرط اولین فنا فی المحبوب ہے، اس لیے مومن مخلص بھی وہی ہے جو اپنی تمام خواہشوں اور قوتوں کو بھول کر صرف خدا کی مرضی اور ارادے پر اپنے تئیں چھوڑ دے۔ خدا کی مرضی اس کی مرضی اور خدا کی خوشی اس کی خوشی ہو۔ یہی معنی خلافت الٰہی کے ہیں کہ وہ دنیا میں اللہ کی صفات کا مظہر اور اس لیے اس کا جانشین ہے۔

ایمان باللہ کی حقیقی شان

الحب فی اللہ والبغض فی اللہ

پس جب مقام ایمان محبت الٰہی اور محبت بغیر حصول فنا، فی المحبوب محال، تو یہیں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض بے نقاب ہو جاتا ہے۔ مومن کی تعریف یہ ہے کہ خود اس کی نہ کسی کے ساتھ دوستی ہو اور نہ دشمنی، نہ کسی کی مدح کرے اور نہ مذمت، بلکہ وہ دست الٰہی میں

ایک بے جان آلہ بن کر اپنی محبت اور دشمنی کو راہ محبوب کے لیے وقف کر دے، جو خدا کے دوست ہیں، وہ اس کے دوست ہوں، اور جو اس کے دشمن ہیں وہ اس کے دشمن ہوں؛ اسی کی راہ میں دوستی اور اسی کی راہ میں دشمنی :الحبّ فی اللّٰہ و البغض فی اللّٰہ!

رضا جوئی الٰہی

خدا نیکی اور اعمال حسنہ سے خوش ہوتا ہے، پس یہ بھی جہاں کہیں نیکی کو دیکھے، اپنا سر جھکا دے۔ وہ بدی اور بد اعمالی پر غضب ناک ہوتا ہے(لایرضی بعبادہ الکفر)پس اس کو بھی جہاں کہیں بدی نظر آئے، صفات الٰہی کی چادر اوڑھ کر قہر مجسم بن جائے :

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ (۵:۵۴)

نیکی کے سامنے جس قدر عاجز ہو، اتنا ہی بدی کے آگے مغرور و سخت ہو۔

ایمان اور امر بالمعروف کا رشتہ

کیا نہیں دیکھتے کہ خدا تعالیٰ نے جہاں امر بالمعروف کا ذکر کیا ہے وہاں ساتھ ہی ایمان باللہ کا بھی نام لیا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (۳ : ۱۱۰)

تم تمام امتوں میں بہتر امت ہو کہ نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

بندۂ نفس کی تعریف

یہ اس لیے کہا کہ امر بالمعروف کا فرض بغیر کامل ایمان باللہ کے ادا نہیں ہو سکتا۔ ایک انسان جو ہوائے نفس میں گرفتار ہے، درم و دنانیر کو پوجتا ہے، لذت نفس اور عیش دنیوی کو اپنا

قبلہ بنالیا ہے اور دنیوی رسوخ وعزت کو اپنا معبود سمجھتا ہے؛ ممکن نہیں کہ اپنے اندر نیکی کے حکم اور بدی کی روک کی طاقت پا سکے۔ وہ مشرک ہے۔ گوزبان سے دعویٰ ایمان کرتا ہو، مگر ایمان کی حلاوت اس کو کبھی چکھنا بھی نصیب نہیں ہوئی :

وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمْ مُّشْرِکُوْنَ (۱۲ : ۱۰۶)

اور ان میں سے اکثر ایسے ہیں کہ گو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں مگر فی الحقیقت مبتلائے شرک ہیں۔

شرک کی تعریف

عبادت اور بندگی کے معنی کسی مجسم بت کو پوجنا ہی نہیں ہے بلکہ ہر وہ شے جس کے لینے کا حق صرف خدا ہی کو تھا، اگر اس کے سوا کسی دوسری ہستی کو دے دی جائے تو یہ بھی شرک ہے۔

ایمان باللہ کا سچا دعویٰ

خدا نے سب کچھ انسان کے لیے، مگر انسان کو اپنے لیے بنایا۔ پس ایمان باللہ کے یہ معنی ہیں کہ انسان سب کچھ اوروں کو دیدے مگر خود اپنے تئیں خدا کے سوا اور کسی کو نہ دے۔ اگر وہ اپنی خواہش اور مرضی کو اس کی خواہش اور مرضی پر مقدم رکھتا ہے تو وہ دعویٰ ایمان میں سچا نہیں۔

امر بالمعروف کا عامل کون؟

رسوخ بایمان باللہ

ہجوم خیالات سے سلسلہ سخن بار بار ٹوٹتا ہے اور پھر چند قدم چل کر واپس ہونا پڑتا ہے۔ حاصل سخن یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وہی کرسکتا ہے، جو ایمان باللہ میں راسخ و مستقیم ہو اور یہ جب ہوسکتا ہے کہ محبت الٰہی کی راہ میں مستقیم ہو کر سب کو خدا کے لیے اختیار کرے اور

سب کو خدا کے لیے چھوڑ دے۔ خود اس کی کوئی ذاتی محبت اور ذاتی عداوت نہ ہو۔ نہ اپنی غرض کے لیے دوست بنے اور نہ اپنی غرض کے لیے دشمن۔ وہ ہر شئے کو خدا کی آنکھ سے پیار کرے اور اسی کی آنکھ سے دشمن دیکھے۔ اس کا کوئی وجود، اس کی کوئی زندگی، اس کی کوئی صدا نہ ہو، جب چلے تو خدا کے پاؤں سے چلے، اور جب سنے تو خدا کے کان سے سنے، اور جب بولے تو خدا کی آواز اس کے گلے سے نکلے: **ولنعم ماقیل فی ھذا المقام**.

مولانا روم کے ارشادات

من بجاناں زندہ ام وز جاں نیم　　من زجاں بگذشتم و جاناں نیم
چشم و گوش دست و پانم اوگرفت　　من بدر رفتم، سرایم اوگرفت
ایں بصروایں سمع، چوں آلات اوست　　بلک ذرات تنم مرآت اوست
نغمہ ازنائیست نے از نے؛ بداں　　مستی از ساقیست، نے ازمۓ؛ بداں
چوں مرادیدی، خدارا دیدۂ　　گرد کعبۂ صدق برگردیدۂ
گفتن من گفتن اللہ بود　　گرچہ از حلقوم عبد اللّٰہ بود
ماچومست ازدیدن ساقی شدیم　　مست گشتیم، از فنا باقی شدیم

حدیث قدسی

یہ ''عارف رومی'' کی مستانہ نغمہ پردازیاں ہی نہیں ہیں، بلکہ عین ترجمہ ہے اس مشہور حدیث قدسی کا، جس کو (امام بخاری) کتاب التواضع میں لائے ہیں کہ:

لایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتیٰ احببتہ ' فاذا احببتہ '
کنت سمعہ الذی یسمع بہ، وبصرہ الذی یصربہ، ویدہ التی
یبطش بھا، ورجلہ التی یمشی بھا، ولسانہ الذی یتکلم بہ
ولئن سألنی لا عطینہ و لئن استعاذنی ؛لاعیذنہ۔

جب میرا کوئی بندہ بذریعہ نوافل کے مجھ سے قریب ہوتا ہے تو اس کو اپنا

محبوب بنالیتا ہوں، پس جب وہ محبوب بن گیا، تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں، میرے کان سے سنتا ہے، اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں، میری آنکھ سے دیکھتا ہے، اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں، میرے پاؤں سے چلتا ہے، اور اس کی زبان ہو جاتا ہو، میری زبان سے بولتا ہے۔ وہ جو مانگتا ہے، عطا کرتا ہوں اور جب پناہ مانگتا ہے، پناہ دیتا ہوں۔

پیر ہرات کی مضطربانہ فریاد

"یُحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهُ" کا یہی مقام ہے اور یہیں پہنچ کر (پیر ہرات) اپنی فریاد ضبط نہ کر سکا اور مضطربانہ چیخ اٹھا کہ "خدایا ایں چہ بوالعجبی ست کہ بادوستان خودمی کنی؟ تاوقتیکہ ترا می جستیم، خودرا یافتیم، اکنوں خودرا می جوئیم، ترا می یابیم" صحابہ کی ایک جماعت نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر محمد بن عبداللہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، مگر ارشاد الٰہی ہوا کہ وہ ہاتھ محمد بن عبداللہ کا نہ تھا بلکہ خود اللہ کا تھا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ (۴۸:۱۰)

جو لوگ داعی اسلام کے ہاتھ میں اتباع و بیعت کا ہاتھ دیتے ہیں تو ان کے ہاتھ پر اس کا (داعی اسلام کا) ہاتھ نہیں ہوتا، بلکہ دراصل خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی (۸:۱۷)

اور (اے پیغمبر) جب تم نے (میدان جنگ میں مٹھی بھر کر خاک) پھینکی تو حقیقت یہ ہے کہ تم نے نہیں پھینکی تھی، خدا نے پھینکی تھی۔

وورزاء ذاک، فـــلا اقـــول، لانـــــــی
ســـر ' لســـان الـــنـــطـــق عـــنـــه اخـــرس

مقامِ اطاعت اور نُصرت فرمائے حق

آخری داعی اور اسباب فتح و نصرت

ظلمت کدۂ دنیا

ایک ہزار تین سو برس سے زیادہ زمانہ گذرا، جب حق اور باطل، صدق و کذب، نور و ظلمات، پیروان شیطان اور بندگانِ خدا، دونوں میں ایک سخت جنگ برپا تھی۔ حق بظاہر بے کس، بے سرو سامان اور مظلوم تھا، اور شیطان کا تخت اپنے سائے کی ظلمت میں باطل پرستیوں کی ایک مغرور فوج رکھتا تھا۔ جبل برقبیس کے تنگ و تاریک غار میں روشنی کی ایک دھیمی چمک نظر آئی تھی، مگر ریگستان حجاز کو ایک ایک ذرہ ظلمت کذب کی پوری مسلح فوج تھا۔

قلب محزوں کی صدائے مضطر

اس وقت ایک صدائے مضطر تھی، جو ایک قلب محزوں سے اٹھی :

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ
وَّاجْعَلْنِیْ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا (۱۷ : ۸۱)

اے پروردگار! اس سفر میں جو میں نے اختیار کیا ہے، ایک بہتر مقام تک پہنچائیو اور دشمنوں کے ہجوم سے نکالیو، تو بہتر طریقہ سے کالیو۔ اور گو میں ضعیف و کمزور ہوں مگر اپنی نصرت بخشی سے اس کارزار حق و باطل میں فتحیابی کے ساتھ غلبہ دیجیو!

یہ صدائے مضطر اس وقت اٹھی، جب اس کے سفر کی منزل ہی نہیں، بلکہ راہ سفر ناپید تھی۔ جب صحرائے بے کنار سامنے، مگر دوش ہمت توشۂ سفر کے بار تقویت سے محروم تھا۔ قدم چلنے کے لیے گو بیقرار تھے، مگر راہ، موانع سفر کی کثرت سے ایک سطح خار تھی۔ جب ایک معرکہ کارزار در پیش، مگر یمین و یسار ہمرہان جنگ اور رفیقان پیکار سے خالی تھا۔ جب بازار میں خریداروں کی تلاش تھی، مگر جو جنس مقبول تھی، اس سے دکان خالی تھی اور جو متاع ہاتھ میں تھی، اس کا کوئی خریدار نہ تھا۔ سفر کی کامیابی، زادراہ اور اسباب و سامان پر موقوف ہے اور لڑائی بغیر شمشیر و تفنگ اور سپاہیوں کی صفوں کے ممکن نہیں، یہ سب سچ ہے۔

نصرت فرمائے حق کی آیت قاہرہ

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس نصرت فرمائے حق کی ایک آیت قاہرہ تھی جو ہمیشہ حق کو باوجود اس کی ظاہری بے سروسامانی کے نصرت بخشتا ہے اور باطل کو باوجود اس کے ساز و سامان کے ناکام و خاسر کرتا ہے، اور پھر قلوب مومنین اور نظار خاشعین کے لیے اس تائید غیبی کو حق و صداقت کی ایک کھلی نشانی قرار دیتا ہے۔ تاکہ دیکھنے والے دیکھیں، سننے والے سنیں، اور دل رکھنے والے سوچیں :

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقاً ، وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاهُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلاخَسَارًا (۱۷ : ۸۱ ـ ۸۲)

حق ظاہر ہوگیا! باطل کو شکست ہوگئی، اور باطل شکست ہی کھانے والا ہے
اور ہم اس کتاب ہدایت قرآن میں ایسی تعلیم دیتے ہیں جس میں
صاحبان ایمان کے لیے تمام امراض قلبی کے لیے شفا اور رحمت ہے۔

البتہ نافرمانوں اور حامیان باطل کو اس سے اورالٹا نقصان ہی پہنچتا ہے۔

فتح ونصرت خداوندی کی بارش

یہی دعائے مقدس تھی جو خدا نے اپنے زمین کے ایک ہی وارث حق وصداقت کو سکھائی تھی، اور یہی الفاظ تھے جو غربت بے سروسامانی کے عالم میں اس مجسمہ حقانیت کی زبان سے نکلے تھے۔ پھر جو کچھ ہوا، وہ صرف آپ کے اور ہمارے ہی نہیں بلکہ تمام عالم کے سامنے ہے!

اِذَاجَآ ءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجاً. فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ، اِنَّهٗ كَانَ تَوَّاباً (۱۱۰ : ۱-۳)

جب خدا کی نصرت آ پہنچی اور حق وصداقت کو فتح ہوئی اور تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ دین الٰہی میں لوگ جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں، تو اب اپنے پروردگار کی حمد وثنا کرو اور اپنی خطاؤں کی معافی مانگو! یقیناً وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

فیضان نصرت کا حصول

مطیع ومنقاد رفاقت شرف

یقینی ہے کہ نصرت الٰہی کے جو عجائب اس دعائے مقدس نے اول روز دکھلائے تھے، اس کا فیضان جاری آج بھی پیروان دین مبین اور حامیان حق وصداقت کو اپنا کرشمۂ قدرت دکھلائے اور جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے ذریعہ مقربان الٰہی کے مقام سے نسبت حاصل کر لی ہے، وہ اس شرف نسبت کی بدولت تمام برکات ونعائم کے شریک وحق دار ہو جائیں، جن کے گو وہ خود مستحق نہیں ہیں، مگر جن مستحقین نعمت کے ساتھ ہیں، ان کی

معیت کا شرف ضرور حق دار ہے، اور یہی معنی میں اس آیت کریمہ کے کہ :

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (۴ : ۶۹)

اور جو لوگ ہر طرف سے باغی ہو کر صرف اللہ اور اس کے رسول کے مطیع و منقاد ہو گئے تو بے شک وہ ان مقربان الٰہی کے ساتھی ہو جائیں گے جن کو حق تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے نزول کے لیے دنیا میں چن لیا ہے، اور جن میں سب سے پہلی جماعت انبیائے کرام کی، پھر صدیقوں کی، پھر شہداء اور صالحین امت کی ہے۔ یہ چار جماعتیں ان کی ساتھی ہونگی، اور اس رفاقت سے بڑھ کر اور کون سی رفاقت ہو سکتی ہے؟

مقام اطاعت کا حصول

اس آیت میں چار جماعتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی، وہ ان کے ساتھیوں میں محسوب ہوں گے، لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ "مقام اطاعت" کا حصول کیونکر متحقق ہو سکتا ہے اور اس کی شرائط کیا ہیں؟

یاد رہے کہ ہر اطاعت کے لیے ایک سرکشی، ہر وفاداری کے لیے ایک دشمنی، اور ہر عاجزی کے لیے ایک غرور و تمرد لازمی ہے۔ آپ ایک آقا کے نوکر ہو نہیں سکتے، جب تک کہ اور تمام آقاؤں سے انکار نہ کر دیں۔ زید سے اگر آپ کو محبت ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے تمام دشمنوں کے آپ دشمن ہو گئے۔ ایک چوکھٹ پر جب ہی سر جھک سکتا ہے، جب اور تمام جھکانے والی چوکھٹوں پر سے مغرورانہ گذر

جایئے۔ جب آپ نے کہا کہ میں روشنی ہی کو پسند کرتا ہوں تو ضمناً اس کا بھی اقرار کر لیا کہ تاریکی سے متنفر ہوں۔ آپ ایک ہی جانب اپنا منہ کر نہیں سکتے جب تک اور ہر طرف سے منہ نہ پھیر لیں، اور ایک ہی سے اپنا رشتہ جوڑ نہیں سکتے، جب تک ہر طرف سے رشتے کاٹ نہ لیں۔

اطاعت شعاری کی آزمائش گاہ

پس خدا اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے لیے پہلی چیز یہ ہے کہ اس کے سوا اور جتنی قوتیں اپنی اطاعت کی طرف بلاتی ہیں، ان سب سے باغی ہو جایئے اور اس کے آگے جھکنے سے پہلے اور تمام جھکانے والوں کے آگے مغرور ہو جایئے۔ جو لوگ اس کی اطاعت کے مدعی ہیں ان کو اطاعت سے پہلے سرکشی کا، وفاداری سے پہلے بغاوت کا، اور دوستی سے پہلے دشمنی کا ثبوت دینا چاہیے۔ ان کو آزمائش میں پڑ کر ثابت کرنا چاہیے کہ خدا کی وفاداری کے لیے انھوں نے کن کن قوتوں سے بغاوت کی ہے؟ اور اس کی محبت کے پیچھے کس کس کو اپنا دشمن بنایا ہے، وہ حکومت الٰہی کے مقابلے میں اپنا تخت تسلط بچھانے والی قوتِ شیطانی، جو انسانوں کو خدا سے چھین کر اپنا مطیع و منقاد بنانا چاہتی ہے، اور جس کے مظاہر تمہارے اندر اور باہر، دونوں جگہ موجود ہیں، مدعیانِ اطاعت الٰہی کے لیے دنیا میں اصلی اور پہلی آزمائش ہے۔

قوائے شیطانی سے جنگ

ابلیسی قوتوں کا سب سے بڑا مظہر

کوئی ہستی خدا کی مطیع ہو نہیں سکتی، جب تک اس قوت اور اس قوت کے تمام مظاہر سے باغی و متمرد نہ ہو جائے۔ سب سے بڑا قوت ابلیسی کا مظہر نفس انسانی اور قوائے بہیمیہ

کی قوائے ملکوتیہ سے ایک دائمی جنگ ہے۔ پھر انسان سے باہر طرح طرح کی ضلالتوں اور باطل پرستیوں کے تخت بچھے ہوئے ہیں اور خود انسانوں کے بے شمار غول ہیں، جنہوں نے شیطان کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس طرح اس کی اطاعت میں اپنے تئیں فنا کر دیا ہے، کہ ان کا وجود از سر تا پا پیکر شیطانی اور مجسمۂ ابلیسی بن گیا ہے۔

قوت شیطانی کے دوسرے نشیمن

ان میں سے ہر قوت شیطانی انسان کو اپنے آگے مرعوب دیکھنا چاہتی ہے۔ کہیں دولت اور مال و جاہ دنیوی شیطان کا نشیمن ہے کہیں غرور علم و فضل کے اندر سے شیطان جھانک رہا ہے، کہیں مذہبی پیشواؤں کی جماعتیں اس کا مرکب فساد بن گئی ہیں اور کہیں جماعتی تسلط اور قوت نے اپنی دعوت ضلالت کی باگ اس کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ حکومتوں اور گورنمنٹوں کا قہر و استبداد بھی ایک بہت بڑا مظہر ابلیس ہے۔ اور ننگ و ناموس دنیوی اور محبت اہل و عیال کی زنجیروں کے اندر بھی اس کے تعبد و انقیاد کی کشش مخفی ہے۔

طاغوتی قوتوں کے خلاف اعلان جنگ

حق وصداقت کی ضرب

پس مقام "وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ" کے حاصل کرنے کے لیے اولین شرط یہ ہے کہ انسان ان تمام طاقتوں کی اطاعت سے یکسر باغی و سرکش ہو جائے، اور ان کی عظمت و جبروت کے اثر سے اپنے دل کو آزاد کر دے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ جہاں تک طلب صادق کی قوت اور توفیق الٰہی کی ہمت اس کا ساتھ دے، ان تمام مظاہر شیطانیہ کے مقابلہ میں ایک مغرورانہ جہاد کا اعلان کر دے، اور تعبد الٰہی کی تلوار لے کر فاتحانہ اٹھ کھڑا ہو۔ ضلالت اور

گمراہی کا بتکدہ جہاں دیکھے، حق اور صداقت کی ضرب سے پاش پاش کر دے۔ دولت دنیا میں ہمیشہ سے شیطان کی سیر و سیاحت کا سب سے بڑا مرکب رہی ہے اور ضلالت کی تاریکی نے چاندی اور سونے کی دیواروں کے اندر ہمیشہ گھر بنایا ہے، پس ہر اس غرور اور ادعا کو جو دولت اور عزہ جاہ دنیوی سے پیدا ہو، شیطان کا بت یقین کرے، اور خدا کی عزت کی خاطر جہاں تک ممکن ہو اسے ذلت سے ٹھکرا دے۔

شیطانی حکومت کا تختہ الٹ دے

حکومتوں کا استبداد، علماء سو اور مذہبی پیشواؤں کا استیلا، دنیوی رہنماؤں اور جماعتی حکمرانوں کا قہر و تسلط رسم و رواج اور سوسائٹی کے دباؤ کی بندش، یہ تمام چیزیں بھی شیطان ہی کے تخت کے سائے میں نشو و نما پانے والی ہیں، اور ان کی قوت بھی "مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطَانٍ" میں داخل۔ پس خدا کی محبت کے لیے ان سب کا دشمن ہو جائے اور اس کے نام کی عزت کو بلند کرنے کے لیے ان سب کو ذلیل و رسوا کرے۔

اللہ کا مطیع کون؟

اپنی زبان کو، اپنے دماغ کو اور اپنی تمام قوتوں کو وقف کر دے تاکہ جو طاعت الٰہی سرکش انسان حق و صداقت کی عزت کو دنیا میں تاراج کر رہے ہیں، ان کی عزت باطلہ کے تاراج و غارت کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس کی زبان حق کی زبان ہو اور قدم حق کے قدم ہوں۔ زبان سے ان کی تحقیر و تذلیل کرے اور پاؤں سے ان کے مغرور سروں کو کچلے۔ جب اس منزل امتحان سے وہ گذر جائے گا، اس وقت اللہ اور اس کے رسول کا مطیع ہو گا۔ کیونکہ جو اللہ کا مطیع ہو، ضرور ہے کہ شیطان سے باغی ہو۔

قیام حق اور انسداد گمراہی

وراثت ارضی

دین قویم کا بنیادی اصول

سلسلہ سخن میں ہم بغیر کسی گریز کے مقصود اصلی تک پہنچ گئے۔ اسی مقام اطاعت الٰہی ہی سے وہ اصل اصول اسلامی رونما ہوتا ہے، جس کو قرآن کریم نے الامر بالمعروف ونہی عن المنکر کے جامع ومانع الفاظ میں بیان فرمایا ہے، اور جو اس دین قویم کا اصل اساس اور امت مرحومہ کے شرف وفضائل کی علت حقیقی اور اس کے تمام اصول وفروغ بمنزلہ عماد کار اور بنیاد شریعت بیضاء کے ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (۳: ۱۱۶)

تم تمام امتوں میں سب سے بہتر امت ہو، اس لیے کہ اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

دوسری جگہ سورۂ حج میں فرمایا:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (۲۲: ۴۱)

اگر ہم مسلمانوں کو حکومت اور خلافت دے کر دنیا میں قائم کر دیں، تو ان کا کام ملک گیری یا عیش و عشرت نہ ہوگا، بلکہ یہ، کہ وہ اللہ کی عبادت کریں گے ، اپنے مال کو اس کی راہ میں خرچ کرینگے دنیا کو نیک کاموں کا حکم دینگے اور برائیوں سے روکیں گے اور سب کا انجام کار اللہ ہی کے ہاتھوں میں ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے عروج اور وارث ارض ہونے کی اصل علت یہ بیان کی ہے کہ وہ دنیا میں اعمال حسنہ انجام دیں گے اور پھر ان کی تشریح کی ہے کہ وہ عبادت بدنی و مالی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

پس فی الحقیقت حق کا اعلان اور گمراہی کا روکنا ایک ایسا فرض اسلامی تھا، جس کو مثل نماز اور زکوٰۃ کے ہر مومن و مسلم پر فرض کر دیا گیا تھا اور دنیا میں اس امت کو خدا کی طرف سے یہ خدمت تفویض کی گئی تھی کہ حق کے قیام اور گمراہی کے انسداد کا اپنے وجود کو ذمہ دار سمجھے اور ہر چیز کو گوارا کر لے، مگر حق کی مظلومی اس کو برداشت نہ ہو۔

فرض کی ہمہ گیری

یہ فرض عام تھا، کسی خاص جماعت کی اس میں خصوصیت نہ تھی۔ امم قدیمہ کی گمراہی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ یہ فرض ہمیشہ علماء و رؤسائے دینی کے قبضہ اقتدار میں رہا، اور اس لیے جس وقت تک وہ خود حق پر قائم رہے، قوم بھی ہدایت پر قائم رہی، اور جب وہ گمراہ ہو گئے، تو قوم کی قوم بھی برباد ہو گئی۔

اسلام نے اس مرض کا یہ علاج تجویز کیا کہ ''امر بالمعروف'' کو ہر فرد کا فرض قرار دیا، اور اس کی ذمہ داری پوری قوم پر پھیلا دی۔ یعنی ہر مومن جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا اقرار کرتا ہے، بمجرد اقرار، اس کا بھی عہد کر لیتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو قیام حق اور انسداد باطل کا ذمہ دار سمجھے گا اور اس کی تمام قوتیں صرف اس لیے ہونگی کہ نیکی کی نصرت کریں اور

برائی کو روکیں۔

علاوہ ان آیات کریمہ کے ''صحیح مسلم'' کی ایک مشہور حدیث میں جس کو حضرت ابوسعید خدریؓ نے روایت کیا ہے اور نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ باد نے تغیر موجود ہے کس قدر واضح طور پر اس فرض کی تشریح فرما دی ہے:

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم تستطع فبلسانہ فان لم تستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان.

تم میں سے جو مسلمان کوئی خلاف حق بات دیکھے تو اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ کے زور سے اس کو دور کر دے اگر اس کی طاقت نہ پائے تو زبان سے اس کی برائی بیان کرے، اگر اس کی بھی قدرت نہ دیکھے تو کم از کم دل ہی میں اس کو برا سمجھے۔ مگر یہ آخری صورت ایمان کا نہایت ضعیف درجہ ہے۔

امر بالمعروف کی کما حقہ تعمیل کا زمانہ

نیکیوں کی بہشت زار

اسلام کی تعلیم کا اصلی علمی دور درحقیقت وہی اس کا ابتدائی زمانہ تھا، جو افسوس ہے کہ بہت جلد ختم ہو گیا۔ یہ اسی فرض اسلام کی قوت تھی جس نے قرون اولیٰ میں تمام اسلامی سر زمین کو اعمال حسنہ کی حکومت سے نیکیوں کی ایک بہشت بنا دیا تھا۔

شیطان اس وقت بھی آزاد تھا جیسا کہ اب ہے اور اس کے پاؤں میں بیڑیاں نہیں ڈالی گئی تھیں، مگر یہ ضرور تھا کہ اسلام کی قوت عاملہ نے انسانی نفس کی بے اعتدالیوں کو گویا پابزنجیر کر دیا تھا، اور امر بالمعروف کے حکم سے کوئی باہر نہ تھا۔

مرضات اللہ کی تقدیم

ہر شخص یقین کرتا تھا کہ وہ ''مسلم'' ہے، اس لیے دنیا میں خدا کا قائم مقام اور اس کا نائب ہے، پس دنیا کی ہر چیز اور ہر عمل کو اپنی آنکھ سے نہیں، بلکہ خدا کی آنکھ سے دیکھتا تھا اور اپنی خواہشوں پر ''مرضات اللہ'' کو مقدم رکھتا تھا۔ ہم اس زمانہ کے حالات میں پڑھتے ہیں کہ ایک عورت نفس کے تسلط سے مجبور ہو کر زنا کے ارتکاب میں مبتلا ہو جاتی ہے اور اس کی کسی متنفس کو خبر نہیں ہوتی، مگر وہ خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آتی ہے اور اپنے زنا کا اقرار کر کے مجبور کرتی ہے کہ سنگسار کی جائے اور پھر انقضائے حمل کے بعد پورے عزم و استقلال سے آ کر سنگسار ہوتی ہے۔

دنیا کے بہترین انسان

ہم کو اس زمانے میں وہ ہزاروں انسان نظر آتے ہیں جو حق کے اعلان کی خاطر اپنے تمام عزیزوں کو چھوڑ دیتے ہیں اور اللہ کی راہ میں ان تمام سخت سے سخت مظالم کو ہنسی خوشی برداشت کرتے ہیں، جو باطل کے پرستاروں کے ہاتھوں ان کو جھیلنے پڑتے ہیں۔ باپ نے اپنے بیٹے کو خلاف حق چلتے دیکھ کر اپنے ہاتھوں سے سزائیں دی ہیں، اور بیٹوں نے اپنے والدین کے مقابلے میں تلوار اٹھائی ہے۔ دنیا کے اختیار میں ہے کہ اس عہد سے اعلیٰ تمدن، بہتر ساز و سامان معیشت اور ترقی یافتہ علوم و فنون پیش کر دے، لیکن یہ قطعی ہے کہ اس زمانے سے بہتر وہ انسان نہیں دکھلا سکتی۔

یہی لوگ تھے جن کی تعریف میں خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ :

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (۴۸ : ۲۹)

کفر و ضلالت کے مقابلے میں نہایت سخت ہیں مگر آپس میں ایک مومن دوسرے مومن کے لیے نہایت رحم دل ہے۔

بے مثال للّٰہیت

ان کی دوستیاں اللہ کے لیے تھیں اور دشمنیاں بھی اللہ ہی کے لیے۔ انھوں نے اپنے نفس کی خواہشوں کو مٹا دیا تھا اور اس کی جگہ اللہ کی رضا جوئی کے ولولے کی انگیٹھی روشن کر لی تھی۔ ''الحب فی اللّٰہ و البغض فی اللّٰہ'' ان کا محور اعمال تھا، وہ ملتے تھے تو حق کی خاطر اور کٹتے تھے تو صداقت کے لیے۔ پھر اس راہ میں نہ کسی کا خوف تھا اور نہ کوئی دنیوی طاقت ان کو مرعوب کر سکتی تھی، کیونکہ انھوں نے اس مالک الملک سے صلح کر لی تھی، جس سے کائنات عالم کی ہر شے ڈرتی ہے، پس اب ان کو کسی ڈرانے والے سے شکست کھانے کا خوف نہ تھا:

> ''اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَا ئِمٍ'' (۵ : ۵۴)
>
> ایمان اور صداقت کے سامنے نہایت عاجز نظر آتے ہیں، مگر کفر و ضلالت کی سامنے نہایت مغرور۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور پھر کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے، (کیونکہ وہ صرف اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔)

اسی امر بالمعروف کے اصول کا نتیجہ وہ آزادی، راست گوئی اور بے باکانہ حق پڑ رہی تھی، جس کے بے شمار نظائر سے صدر اول کی تاریخ لبریز ہے۔ سرزمین اسلام کا ایک ایک بچہ اور مدینے کی گلیوں کی بڑھیا عورتیں اعلان حق کی جو قوت اپنے اندر پاتی تھیں، آج علم و دولت کی قوت کے مجسموں کو بھی نصیب نہیں۔ ''امر المعروف'' کی روح نے ایک ایسی زندگی ہر مسلمان میں پیدا کر دی تھی کہ خلاف حق و صداقت عمل کو دیکھ کر بے اختیار تڑپ جاتا تھا، اور پھر نہ تلوار اس کی زبان کو بند کرنے پر قادر تھی اور نہ حکومت کا تخت سطوت اس کی آواز کو دبا سکتا تھا۔

عہد بنی اُمیّہ و عباسیہ

بنی امیہ کا استبداد "امر بالمعروف" کے سد باب کا پہلا دن

ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر قیامت کے دن دنیا کے ظالموں کی صفوف عام فسق و فجار سے الگ قرار دی جائیں گی، تو ان میں سب سے پہلی صف یقیناً (بنی امیہ) کی ہوگی۔ انھی ظالموں نے اسلام کی اس روح حریت کو غارت ظلم و استبداد کیا اور اس کے عین عروج اور نشو ونما کے وقت اس کی قوت نمو کو اپنے اغراض شخصیہ کے لیے کچل ڈالا۔ ان کا اقتدار و تسلط، فی الحقیقت "امر بالمعروف" کے سد باب کا پہلا دن تھا۔ نہ صرف یہ کہ انھوں نے اسلام کی جمہوریت کو غارت کر کے اس کی جگہ شخصی حکومت کی بنیاد ڈالی جو یقیناً اعتقاد قرآنی کی رو سے کفر جلی ہے، بلکہ سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ اظہار حق اور امر بالمعروف کی قوت کو تلوار کے زور سے دبا دینا چاہا، اور مسلمانوں کی حق گوئی کے ترقی کناں ولولے کو مضمحل کر دیا۔

تاہم چونکہ عہد نبوت کا فیضان روحانی اور تعلیم قرآنی کا اثر ابھی بالکل تازہ تھا، اس لیے اگرچہ طرح طرح کی بدعات اور محدثات و معاصی کا بازار گرم ہوگیا تھا، لیکن پھر بھی "امر بالمعروف" کی آواز کی گرج کوفہ و دمشق کے ایوان و محل کو لرزا دیتی تھی۔

ساٹھ برس کی ایک بڑھیا عورت بر سر دربار بلائی جاتی تھی اور "معاویہؓ" کے سامنے بے دھڑک اپنے وہ اشعار جوش و خروش کے ساتھ پڑھتی تھی جن میں نہ صرف حضرت امیر علیہ السلام کے مناقب ہوتے تھے بلکہ کھلے کھلے لفظوں میں بنو امیہ کے فظائع و مثالب بیان کیے گئے تھے عبدالملک جیسا بارعب و جبروت شہنشاہ مدینے آتا تھا، تو اس کے دروازے سے گلیم پوش فقراءؔ صحالیک نکلتے تھے اور برسر دربار اس کو ظالم بتلاتے تھے۔

تاریخ میں ہم صدہا واقعات کے ضمن میں پڑھتے ہیں کہ "حجاج" کے سامنے اس کی

بے نیام تلوار رکھی رہتی تھی، لیکن جانفروش مومن آتے تھے اور اس کی تلوار کو حقارت سے دیکھ کر اپنی شمشیرِ حق گوئی سے خود اس کے دل کو مجروح کر دیتے تھے۔

عہد عباسیہ اور علمائے حق کی استقامت

بنو امیہ کے بعد ان کی ہر چیز کے وارث عباسی ہوئے اور گو حکومت کے استیلاؤ استبداد سے ''امر بالمعروف'' کا نشو و نما رک گیا تھا اور روز بروز اس کی قوت ضعیف سے ضعیف تر ہوتی جاتی تھی، تاہم اسلام نے قوم کے اندر اس اصول کی روح جس قوت کے ساتھ پھونک دی تھی، اس کی ہلاکت کے لیے ایک مدت مزید درکار تھی۔ باوجود عجمی حکومت مستبدہ کی تقلید اور قہر و استیلائے شدید کے جو آل عباس کو حاصل تھا، ''مامون الرشید'' جیسے عظیم الشان اور ''متوکل'' جیسے ظالم کے دربار میں آپ کو صدہا اشخاص نظر آئیں گے جن کو تخت بغداد کی عظمت و شوکت بھی مرعوب نہ کر سکی اور اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر رکھ کر انھوں نے امر حق کا اعلان کیا۔

مسئلہ خلق قرآن

''مامون الرشید'' کا استبداد جب مسئلہ ''خلق قرآن'' میں ظلم و تشدد تک پہنچ گیا، تو دارالخلافت بغداد میں علمائے حق کی مظلومی نہایت درد انگیز تھی۔ لوگوں کو جبر و تشدد کے ساتھ مجبور کیا جاتا تھا کہ حدوثِ قرآن کا اقرار کریں اور جو انکار کرتے تھے ان کو طرح طرح کی صعوبتوں میں مبتلا کیا جاتا تھا۔

جامع مسجد میں سوائے جہمیہ و معتزلہ کے کسی کو حق نہ تھا کہ وعظ و ارشاد کرے، اور جو شخص زبان سے قدم قرآن کا لفظ نکالتا تھا، اس کی سزا موت تھی۔ لیکن بایں ہمہ عین ایسے جاں طلب اور خونریز موقع پر شیخ ''عبدالعزیز بن یحییٰ الکنانیؒ'' مکہ معظمہ سے چل کر بغداد

تک صرف اسی لیے آتا ہے تاکہ دارالخلافہ کی جامع مسجد میں خلق قرآن کے ابطال پر علانیہ وعظ کہے اور اس طرح گرفتار ہو کر ماموں کی مجلس تک پہنچے، اور پھر اس کے سامنے "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کے فرض کو انجام دے۔ چنانچہ وہ بغداد پہنچ کر عین جمعہ کے دن جامع "اضافہ" میں جاتا ہے اور بعد نماز کے ممبر پر سے پکار کر کہتا ہے :

کلام اللہ منزل غیر مخلوق!!

حیرت وانگیز واقعہ

اس کی اس ہلاکت طلب جرأت سے تمام مسجد میں ہنگامہ بپا ہو گیا اور لوگوں نے کہا کہ یا زندگی سے بیزار ہے یا مجنون ولایعقل ہے۔ بالآخر "عمرو بن مسعدہ" رئیس الشرط" کو توال شہر" کو فوراً اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ اس نے آکر "عبدالعزیز" کو گرفتار کر لیا اور اس کی خواہش کے بموجب دربار خلافت تک پہنچا دیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے مجلس مناظرہ اور حضور خلیفہ کی درخواست کی، اور مامون الرشید کی موجودگی میں اس عقیدے کے فسادات کو ایک ایک کر کے بیان کیا :

ومن شاء التفصيل فليرجع الى الرسالة له الفها فى ما حدث له فى بغداد[1]

عربی واسلامی حکومت کی موت

ظہر الفساد فی البر والبحر

عباسیہ کے بعد فتنۂ تاتار کی غارت گری نے تاریخ اسلام کا ورق الٹ دیا اور ایک وحشی قوم اسلام کا ورق الٹ دیا اور ایک وحشی قوم اسلام کے عرش حکومت کی مالک ہو گئی۔ عربی حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی دعوت اسلامی کے بقیہ قوا کا بھی خاتمہ ہو گیا تھا اور فتنہ و

فساد، جنگ و جدال، حکومتوں اور قوموں کے تصادم اور دائمی کشت وخوں ریزی سے نفسانی اغراض وظلم وعدوان کی فضا ہر طرف پھیل گئی تھی۔

سب سے بڑا فتنہ علمائے سُوء کی کثرت اور علمائے حق کی غربت تھی۔ خلافت راشدہ کے اختتام کے ساتھ ہی شخصی حکومت کی بنیاد پڑ گئی تھی اور شخصی حکومت کی سب سے زیادہ قاتل سمیت امراؤ رؤسا کی ندامت اور مصاحبت کی رسم کا پیدا ہونا ہے، جو دنیوی عزوجاہ کے حصول کا ذریعہ اور بادشاہ وقت کے تقرب وجلب توجہ کی وسیلہ بن جاتی ہے اور یہ سب سے بڑی دین و علم کی آزمائش ہوتی ہے جو بوجھل زنجیر بن کر طبقہ "علماء" کے پاؤں میں پڑ جاتی ہے۔

پھر یہ طبقہ زر پرستی اور حصول عزوجاہ کی لعنت میں گرفتار ہو کر شیطان کا سب سے بڑا مرکب فساد بن جاتا ہے اور دین وعلم کو امراؤ روسا کی ابلیسانہ خواہشوں کے تابع کر دیتا ہے۔ اس کا علم ومذہب اور وعظ وارشاد حق کے لیے نہیں، بلکہ طلب دنیا کے لیے ہوتا ہے، وہ قوم کو حق کی طرف نہیں بلاتا بلکہ خود قوم کی ضلالت اور گمراہی کے ہاتھوں میں ایک کھلونا بن کر رہتا ہے۔ جس عقیدے اور تعلیم کو جلب قلوب اور امراؤ روسا کی خوشنودی کا ذریعہ دیکھتا ہے، بیان کرتا ہے، اور جس کو ان کی خواہشوں کا مخالف پاتا ہے ترک کر دیتا ہے۔

علمائے یہود کی مماثلت

قرآن کریم نے علمائے یہود کی سب سے بڑی مذمت یہی بیان کی تھی :

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا، وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. (۷ : ۱۶۹)

پھر بنی اسرائیل میں سلف صالح کے جانشین اور کتاب تورات کے وارث ایسے ناخلف ہوئے جو احکام الٰہی کو اغراض دنیوی کے لیے تبدیل کر دیتے ہیں اور حق کو چھپاتے ہیں۔ اس لیے کہ اس کے صلے میں انھیں اس دنیائے دوں کا کوئی ذلیل حصہ مل جاتا ہے اور اس پر طرہ یہ ہے کہ باوجود اس کے کہتے ہیں کہ (ہم علماء میں سے ہیں) اس لیے ہمارا گناہ تو معاف ہو جائے گا۔ اور اگر پہلی چیز کی طرح کوئی اور دنیاوی چیز ان کے سامنے آ جائے تو پھر اس کے لینے کے لیے بھی تیار رہتے ہیں۔ کیا ان گمراہوں سے وہ عہد جو تورات میں مرقوم ہے نہیں لیا گیا ہے، کہ "ہم حق بات کے سوا دوسری بات خدا کی طرف منسوب نہیں کریں گے؟" پھر جو کچھ تورات میں ہے، وہ اسے پڑھ چکے ہیں اور کچھ جاہل و بے خبر بھی نہیں ہیں۔

ترکوں کا عہد حکومت

زوال بغداد کے ساتھ ہی عربی قوت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا اور ترکوں کا جو اقتدار ایک صدی سے نشو و نما پا رہا تھا، وہ تمام عالم اسلامی پر چھا گیا۔ ترک ایک نو مسلم قوم تھی، جو عربی زبان سے واقف نہ تھی اور نہ اس کو دین و مذہب کی کچھ خبر تھی۔ اس لیے مجبوراً اس کو تمام علمی اور مذہبی معاملات میں علماء سے مدد لینی پڑی اور اس طرح علم و مذہب پیشتر سے زیادہ حصول قوت و حکمرانی اور دولت و جاہ دنیوی کا ذریعہ بن گیا۔

یہ "امر بالمعروف" کی بقیہ زندگی کے لیے گویا ایک آخری فتوائے موت تھا۔ کیونکہ اب علم مذہب اعلان حق اور دفع باطل کے لیے نہیں، بلکہ حصول عزہ جاہ اور حکومت و تسلط کے لیے حاصل کیا جانے لگا اور نفس پرست بادشاہوں اور امیروں کے دربار کی پہلی صفوں میں علماء و فقہاء کی قطاریں نظر آنے لگیں۔

علم حق کا نور

علم حق ایک نور الٰہی ہے جو اغراض نفسانیہ کی تاریکی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ وہ حق و صداقت ہے مگر نفس کذب و باطل کی پرستش کرتا ہے۔ پس جن دلوں میں دنیاوی لذائذ اور حکومت امارت کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے، وہ مجبور ہو جاتے ہیں کہ علم و حقانیت کو ان نفوس خبیثہ کا تابع و محکوم کر دیں، جن کے ہاتھ میں دولت اور عز و جاہ دنیوی کی بخشش کی قوت ہے۔ غرض اور ہوس کا تسلط ان کے دلوں سے خدا کی حکومت کے خوف کو زائل کر دیتا ہے اور اس کی جگہ دولت و امارت اور جماعت و عوام کی حکومت قائم کرا دیتا ہے۔

وہ حق کو دیکھتے ہیں کہ مظلوم ہے، لیکن زبان نہیں کھولتے، کیونکہ جانتے ہیں کہ حق کی نصرت ان کی اغراض نفسانیہ کے لیے مضر ہے، جو دل خدا سے نہیں ڈرتا پھر وہ دنیا کی ہر شے سے ڈرنے لگتا ہے۔ پس وہ اللہ کی حکومت سے آزاد ہو کے شیطان کے ہر ادنیٰ سے ادنی مظہر اور ذریت کے غلام ہو جاتے ہیں اور چونکہ امراء و رؤسا یا عوام و جہلا سے جلب نفع اور حصول زر کی خواہش اپنے اندر رکھتے ہیں، اس لیے ان کی قدرت سے باہر ہوتا ہے کہ ان کے خلاف لبوں کو حرکت دے سکیں۔ وہ حق اور راستی کو پہچانتے ہیں لیکن اس کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ نہیں کر سکتے، کیونکہ ڈرتے ہیں کہ پھر دولت و جاہ دنیوی کے بت اپنا ہاتھ ان کے سروں سے ہٹا لیں گے:

وَاِنَّ فَرِيقًا مِّنۡهُمۡ لَيَكۡتُمُونَ الۡحَقَّ وَهُمۡ يَعۡلَمُونَ (۲ : ۱۴۶)

تاریخ اسلام کا عہد تاریک

فی الحقیقت تاریخ اسلام کی گزشتہ آخری صدیاں "الامر بالمعروف" کی تاریخ کا ایک عہد تاریک تھا، جس میں روز بروز پچھلی روشنی مفقود ہوتی گئی اور نئی تاریکی اس کی جگہ قبضہ

کرتی گئی۔ اجتماعی فسادات و امراض کے علاوہ سد باب اجتہاد اور اعتقاد تقلید نے تمام علوم عقلیہ و دینیہ کی ترقی روک دی تھی اور علی الخصوص علوم دینیہ کی درس و تدریس میں وہ تمام نقائص، جن کو "علامہ ابن خلدون" نے اپنے زمانے میں محسوس کیا تھا، پیدا ہو چکے تھے اور جو بالآخر بڑھتے بڑھتے آج اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ علوم قدیمہ کی تحصیل صرف متاخرین کی چند کتابوں اور حواشی و شروح کے پیچھے صرف دماغ کر دینے میں محدود ہو گئی ہے اور علوم قرآن و حدیث کے سرچشمہ ارشاد و ہدایت اور منبع امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تھے، محض "تفسیر جلالین" اور "مشکوٰۃ" کے الفاظ سے مناسبت پیدا کر لینے کا نام رہ گیا ہے۔

دین قویم کا مقام

اگرچہ یہ گزشتہ آٹھ صدیوں کا زمانہ اسلام کے اخلاقی و اجتماعی تنزل کا اصلی دور تھا اور جن امراض کی ابتدائی امیہ اور عباسیہ کے زمانے میں ہوئی تھی، وہ اب ہڈیوں سے گذر کر کے ظاہر جسم پر بھی نمودار ہو گئے تھے، لیکن تاہم خدا کی سرزمین حق و صداقت کی آواز سے کبھی بھی خالی نہیں رہی ہے اور اس دین قدیم کی نصرت و تجدید کے لیے اس کا وعدہ ہے کہ وہ سخت سے سخت عہد طغیان و فساد میں بھی ایک جماعت صالحین امت کی ہمیشہ ایسی قائم رکھے گا، جن کے قلوب خود اس کی حفاظت اور پناہ میں ہوں گے، اور ضلالت شیطانی کو ان پر کبھی دسترس حاصل نہ ہو گا:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ وَ کَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلاً (۱۷ : ۶۵)

جو میرے سچے بندے ہیں ان پر شیطان کا قابو نہ چل سکے گا، اور اللہ اپنے بندوں کی کارسازی کے لیے بس کرتا ہے۔

فضلیت مخصوصۂ امت مرحومہ اور سلسلہ دعوت حق کا قیام دائمی

امم سابقہ کی تاریخ

اگر گوش حق نیوش باز، اور دیدۂ اعتبار بینا ہو، تو فی الحقیقت اس دین قویم کے بقاؤ احیاء اور دعوت الی الحق والہدایتہ کے لیے روز اول سے خدا تعالیٰ کے کاروبار تصرف فرمائی عجیب وغریب رہے ہیں۔ امم قدیمہ کے حالات ہم پڑھتے ہیں تو کوئی ہدایت اور دعوت صداقت ایسی نہیں ملتی، جو اپنے داعی ربانی مذہب کی زندگی کے بعد ایک صدی تک بھی دنیا میں قائم رہ سکی ہو۔ ان اقوام کی تاریخ سے قطع نظر کرنی پڑتی ہے جو اپنی گذشتہ تاریخ کے لیے کوئی بصیرت بخش روشنی نہیں رکھتے۔ لیکن دنیا کی جو بڑی بڑی قومیں اور مذاہب آج موجود ہیں، اُن کی قرون اولیٰ کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نبی اسرائیل

حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے لیے وادی سینا کے پہاڑوں پر چلے گئے تھے، تاکہ وحی الٰہی سے تورات مقدس کو مرتب کریں، لیکن اتنے ہی دنوں کی غیبت میں تمام قوم کی قوم گرسالہ پرست ہوگئی تھی اور ان کی برسوں کی تعلیم وہدایت پر ایک شعبدہ باز کے چند لمحوں کا کرشمہ غالب آ گیا تھا:

فَرَجَعَ مُوْسٰی اِلٰی قَوْمِہٖ غَضْبَانَ اَسِفًا قَالَ یَا قَوْمِ اَلَمْ یَعِدْ کُمْ رَبُّکُمْ وَعْدًا حَسَنًا اَفَطَالَ عَلَیْکُمُ الْعَھْدُ؟ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ یَّحِلَّ عَلَیْکُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاَ خْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ؟ (۲۰ : ۸۶)

حضرت موسیٰ غصے اور تاسف کی حالت میں اپنی قوم کی طرف واپس آئے اور کہا کہ اے لوگو! کیا تم سے خدا تعالیٰ نے تورات کے دینے کا وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا تم کو اس وعدے کی مدت بہت بڑی معلوم ہوئی کہ بت پرستی میں مبتلا ہو گئے؟ یا پھر تم نے یہ چاہا کہ تم پر تمہارے پروردگار کا غضب نازل ہو، اس لیے تم نے اس عہد ہدایت کو توڑ ڈالا، جو تم نے مجھ سے کیا تھا؟

مسیحیت کا معاملہ

حضرت مسیح علیہ السلام کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئے تھے، بلکہ شریعت موسوی کے ایک مصلح اور آخری مجدد تھے۔ تاہم ان کی دعوت کی تاریخ چند برسوں سے آگے نہ بڑھی اور ہمیں خوف ہے کہ جو نادان اور ابلہ ماہی گیر ان کے ساتھ جمع ہو گئے تھے، ان میں سوائے ''یوحنا'' کے کسی نے ان کی تعلیم کو سمجھا بھی تھا یا نہیں؟ ان کے بعد چند برسوں کا زمانہ یہودیوں کے مظالم اور حواریوں کے تحمل و توکل کا ضرور سامنے آتا ہے جس میں ایک مظلومانہ اخلاق کی کشش یقیناً پائی جاتی ہے، لیکن اس کے بعد ہی ایک متفنی اور فیلسوف یہودی ''سینٹ پال'' کی شرکت سے مسیحی تحریک کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ ایک نیا مذہب لے لیتا ہے جو رومی بت پرستی افلاطونی الٰہیات اور یہودیت کے چند مسخ شدہ رسوم کا مجموعہ تھا:

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (١٩ : ٣٧)

پھر عیسائیوں میں بہت سے فرقے پیدا ہوگئے اور آپس کے اختلافات میں پڑ گئے، پس افسوس ہے ان کی کفر وضلالت پر، اور ان کو ایک بڑے دن میں اللہ کے آگے حاضر ہونا پڑے گا۔

دین اسلام کی صداقت

یہی حال تمام امم قدیمہ کا ہے۔ لیکن منجملہ ان آیات صداقت اور اعلام حقانیت کے جن کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے اس دین قویم کی نصرت فرمائی ہے، ایک بہت بڑی الٰہی نشانی یہ تھی کہ اس کی دعوت وتبلیغ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا اور روز اول ہی کہہ دیا کہ:

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ (٦١ : ٨)

پیروان باطل چاہتے ہیں کہ حق وصداقت کا جو نور الٰہی روشن کیا گیا ہے، اسے اپنی مخالفت کی پھونک مار کر بجھا دیں، مگر وہ یاد رکھیں کہ اللہ اپنے اس نور صداقت کی روشنی کو درجہ کمال تک پہنچا کر چھوڑے گا اگرچہ باطل پرستوں کو برا لگے۔

دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ (١٥ : ٩)

بیشک ہم ہی نے اس دین حق وصداقت کی دعوت دنیا میں بھیجی اور ہم ہی ہیں جو ہمیشہ اس کے محافظ وناصر ہوں گے۔

تجدید دین کا تواتر

فتنہ وفساد کا تباہ کن سیلاب

اسی تائید الٰہی کا نتیجہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے دن ہی سے اختلافات کی بنیاد پڑ گئی اور پھر شخصی حکومتوں کے قیام، ملکی اغراض اور سیاسی مطامع کے فشار، عجمی اقوام اور عجمی تمدن و رسوم کے اتباع اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ضعف سے روز بروز فتنہ و فسادات میں ترقی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ زوال بغداد اور عربی حکومت کے خاتمے کے بعد فتنہ وفساد کا ایک ایسا تباہ کن سیلاب اٹھا، جو بنی اسرائیل پر ''بخت نصر'' کے تسلط کی تباہی سے کسی طرح کم نہ تھا، لیکن پھر بھی اسلام کی دعوت کا بیج اپنے اندر ایک ایسی قوت نمو رکھتا تھا کہ پامال ہوتا تھا، اور پھر ابھرتا تھا۔ حوادث ومصائب کا ہاتھ جس قدر اس کی شاخوں اور پتوں کو کاٹتا تھا، اتنی ہی اس کی قوت نمو ابلتے ہوئے چشمے کی طرح اچھل اچھل کر بلند ہوتی تھی۔

دین اسلام کی بقاء کا اعجاز

فتنہ وفساد کی باد صرصر اگر اس کی شاخوں کو ہلا رہی تھی، تو اللہ کا دست محکم اس کی جڑ کو مضبوط پکڑے ہوئے تھا۔ زمین کے اوپر اس کے پتے جھڑ جھڑ کر گر رہے تھے، لیکن زمین کے اندر اس کی جڑ کے ریشے مستحکم ہو رہے تھے۔ یہ سچ ہے کہ امم قدیمہ کی تمام تباہیاں اور گمراہیاں ایک ایک کر کے اس امت کو بھی پیش آئیں۔ کوئی گمراہی بنی اسرائیل اور مشرکین مکہ کی ایسی نہ تھی جس سے اشبہ گمراہیوں میں مسلمان مبتلا نہ ہوئے ہوں، مگر دین آخری کے بقاء اور قیام کا یہ معجزہ تھا کہ ان میں سے کوئی ضلالت بھی اصل سرچشمہ تعلیم کو مکدر نہ کر سکی، اور تحریف ونسخ اور حذف و اضافہ سے قرآن کریم ہمیشہ محفوظ رہا۔

طاغوتی قوتوں کا عجز

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ نصرت فرمائے حق کی تائید غیبی ہر سخت سے سخت دور فتن وطغیان میں ایک جماعت ایسی پیدا کرتی رہی، جس کے قدم حق و حقیقت پر غیر متزلزل ہوتے تھے اور چاروں طرف کی پھیلی ہوئی ضلالت سے محفوظ رہ کر باوجود قلت انصار و اعوان وعدم ساز و سامان دنیوی کے وہ جہاد امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں کامیاب وفتحیاب ہوتی تھی اور حق تعالیٰ اس کے دل و دماغ کو اپنے دست قاہر و مقتدر میں لے کر، اپنے دین قویم کی حفاظت امت مرحوم کا ذریعہ بنا دیتا تھا۔ دنیا میں صداقت ہمیشہ رہی اور مختلف ناموں سے ہمیشہ آتی رہی، لیکن دین اسلام اس کا آخری ظہور تھا، اس لیے ضرور تھا کہ وہ کامل تر ظہور ہو اور پھر اس طرح محکم اور ناممکن التبدیل ہو، کہ دنیا کی شیطانی قوتیں اس پر کبھی بھی غلبہ نہ پاسکیں۔

جماعت حق کی فتحیابی کی پیشین گوئیاں

پس یہ ایک حقیقت تھی، جس کا اعلان پہلے ہی دن کر دیا گیا تھا۔ قرآن کریم کے علاوہ احادیث کا تفحص کیجیے تو اس حقیقت کو جا بجا ایک پیشین گوئی کی صورت میں پایئے گا:

لاتزال من اُمتی ظاهرین علی الحق حتی یاتیهم امر الله وهم ظاهرون (متفق علیہ)

میری امت میں ایک جماعت حق ضلالت و باطل پرستی پر فتحیاب رہی گی، یہاں تک کہ قیامت ظاہر ہو۔

مخالفین کے ضرر سے حفاظت

اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے صحیح میں مغیرہؓ کی روایت سے درج کیا ہے، مگر یہی حدیث بہ تغیر الفاظ نہایت کثرت سے مختلف اسناد و روات کے ساتھ شہرت پا چکی ہے اور متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے۔ مسلم، ترمذی، اور ابن ماجہ میں بروایت ثوبانؓ ہے:

> ہمیشہ میری امت میں ایک جماعت رہی گی جو حق و صداقت کے اعلان میں فتحیاب ہوگی۔ باطل پرست اس کی مخالفت کرینگے مگر ان کی ضرر رسانی سے خدا اس کو محفوظ رکھے گا۔

ابن ماجہ اور نسائی کی بعض روایتوں میں قتال و جہاد کا بھی لفظ ہے، او رمسلم کی ایک حدیث میں جس کو عقبہ بن عامرؓ نے روایت کیا ہے اگر ''قاھرین لعدوھم لا یضرھم من خالفھم'' بھی آخر میں زیادہ ہے۔ یعنی وہ جماعت حق دشمنان صداقت کے لیے اپنے اندر ایک الٰہی قہر و غلظت رکھے گی اور جو لوگ اس کی مخالفت کریں گے، وہ اسے نقصان پہنچانے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔

ہر صدی پر مجدد کی آمد کا وعدہ

اسی طرح ایک دوسری مشہور حدیث میں جس کو ابو داؤد و حاکم و بیہقی نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے، ہم کو خبر دی گئی ہے کہ اس دین الٰہی کی احیاء و تجدید کے لیے ہمیشہ خدا تعالیٰ مصلحان امت اور مجددان ملت کو بھیجتا رہے گا اور وہ ہر صدی میں ظاہر ہو کر بدعات و محدثات کا استیصال کریں گے:

> ان اللّٰہ تعالیٰ یبعث لھٰذہ الامۃ علیٰ راس کل مائتہ سنۃ من یجدد لھا دینھا

اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر صدی کے آغاز میں ایک مجدد پیدا کرے گا جو
دین اسلام میں اپنے روح ہدایت سے ایک تازگی اور نئی زندگی پیدا کر
دے گا۔

تاریخ اسلام سے تائید غیبی کی شہادت

نفوس قدسیہ کا نزول

کیا نہیں دیکھتے، کہ یہی نصرت الٰہی اور آیت غیبی تھی، جس نے باوجود ہیجان طغیان و اشتداد فساد، وشیوع فتن، و اختلال کاروبار ہدایت، ہر زمانے میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی آواز کو جی و قائم رکھا اور فساد ضلالت کی کوئی سخت سے سخت قوت ابلیسی بھی اس قوت الٰہیہ پر غالب نہ آ سکی۔علی الخصوص تاریخ اسلام کی وہ گذشتہ آخری صدیاں، جبکہ اسلام کے قدیمی مرکزوں کے اختلال، عربی حکومت کے خاتمے، امراؤ سلاطین کے طامعانہ وعیش پرستانہ اغراض، علمائے حق کی غربت وقلت اور قتل و خوں ریزی کی شدت واحاطہ سے تمام عالم اسلامی کی حالت موجودہ تنزل وانحطاط کے اسباب فراہم کر رہی تھی اگر تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو پھر بھی اس کے ہر دور میں چند نفوس قدسیہ ایسے ضرور مل جاتے ہیں، جن کے سینوں کو خدا نے نور ہدایت کے لیے کھول دیا تھا اور ان کے دلوں کو حق وصداقت کے جمال کا مسکن بنا دیا تھا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ

آٹھویں صدی ہجری میں جبکہ مسلمانوں میں علم ودین کے تنزل وانحطاط کا بیج بار آور ہو چکا تھا، علامہ ''ابن تیمیہؒ'' کا پیدا ہونا اور ان کا علاوہ علوم وفنون میں درجۂ رسوخ واجتہاد پیدا کرنے کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی راہ میں ہر طرح کے شدائد ومصائب کا

گوارا کرنا اور اپنے تلامذہ و متبعین کی ایک بہت بڑی جماعت پیدا کر دینا، جس میں علامہ ''ابن قیمؒ'' جیسے اشخاص کا پیدا ہونا، کس قدر تعجب انگیز ہے؟ لیکن اس تعجب انگیز ظہور کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو مسلمانوں کے اس ذہنی اور قلبی انحطاط کا صحیح اندازہ ہے، جو چھٹی صدی کے بعد تمام عالم اسلامی پر طاری ہو گیا تھا اور سد باب اجتہاد کے اذہان و عقول کی ترقی کو اس کے عین عروج وارتقاء کے وقت ہلاک کر دیا تھا۔

ہندوستان میں دعوت حق کے علمبردار

اگر صرف ہندوستان ہی میں دعوت حق کی تاریخ پر نظر رکھی جائے تو یہ آپ کے لیے ایک قریب کی مثال ہوگی۔ تاریخ ہند میں ''اکبر'' کا عہد اس لحاظ سے خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ سلاطین پرست اور متبعین ہوائے نفس علماء کی دربار پر حکومت تھی، اور دینداری اور تقدس کے پردے میں نفسانی تعصبات اور مفسدانہ اغراض کام کر رہے تھے۔

آخر میں ''ملا مبارک'' کے خاندان کے دخل سے حالت ضرور بدلی، مگر یہ تبدیلی بھی کچھ مفید نہ تھی، کیونکہ وہ خود پچھلے مرض کا ایک بے اعتدلانہ علاج بالمثل تھا، لیکن عین اسی زمانے میں حضرت ''شیخ احمد سرہندیؒ'' کا ظہور ہوتا ہے، جو ایک غیر معروف گوشے میں بیٹھ کر لاکھوں دلوں کو اپنی صدائے رعد آسائے حق کا شیفتہ بنا لیتے ہیں اور احیائے شریعت اور تجدید شعار اسلامی اور اعلان حق و امر بالمعروف کے لیے اپنے وجود کو یکسر وقف کر دیتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ اور قاضی شوکانی

پھر گیارہویں صدی کے اواخر اور بارہویں کے آغاز میں حضرت ''شاہ ولی اللہؒ'' اور ان کے خاندان نے امر بالمعروف کی تاریخ میں جو حیرت انگیز خدمات دینیہ انجام دی ہیں محتاج بیان نہیں۔ علی الخصوص ''شاہ ولی اللہؒ'' کا وجود قدسی، جو فی الحقیقت اپنے اندر الہام

ربانی و فیضان الٰہی اور فطرت کاملہ و اقتباس انوار نبوت کی ایک مستثنٰے مثال رکھتا تھا۔

اسی طرح گیارھویں صدی کے اواخر میں قاضی ''شوکانی'' کا یمن میں ظہور اور احیاء سنت اور رفع بدعت کے لیے سعی مشکور، احادیث مذکورہ، کی پیشین گوئی کے لیے ایک مثال صداقت ہے۔

ارتقائے روحانی تاثرات

ہدایت الٰہی کی مخفی قوت

اگر یہ تائیدات غیبی اور کاروبار الٰہی نہیں ہیں، تو پھر یہ کیا بات ہے کہ ہر زمانے میں کچھ لوگ ایسے نظر آتے ہیں، جو اپنے زمانے کی سوسائٹی میں پرورش پاتے ہیں اور بچپن سے لے کر عہد شعور تک انہی خیالات و اعتقادات اور رسم و رواج کو دیکھتے اور سنتے ہیں، جن کی فضاء ان کے چاروں طرف محیط ہوتی ہے۔ کانوں میں ان کے صدا آتی ہے تو باطل پرستی کی اور آنکھیں دیکھتی ہیں تو ضلالت وفساد کو۔ لیکن پھر ایک غیبی ہاتھ ہوتا ہے جو ان کا بازو تھام کر شاہراہ عام سے الگ ایک راہ پر لے جاتا ہے اور فیضان ہدایت الٰہی کی ایک مخفی قوت ہوتی ہے جس کا سرچشمہ ان کے سینے کے اندر ابلنے لگتا ہے وہ جب زبان کھولتے ہیں تو ان کی آواز ان کے زمانے کی علم اعتقادات و خیالات سے بالکل متضاد ہوتی ہے اور اپنے خاندان، سوسائٹی تعلیم و تربیت اور ملکی رسم و رواج سے بالکل الگ ہو کر حق و صداقت کی طرف دنیا کو دعوت دیتی ہے۔

انسانی معتقدات اور گردو پیش

انسان اپنے تمام خیالات و معتقدات میں خارجی اثرات کا تابع ہے۔ وہ دنیا میں آتا ہے اور ایک خاص طرح کی تربیت اور سوسائٹی میں نشو و نما پاتا ہے۔

یہی تربیت اس کے تمام خیالات و معتقدات کی جڑ بن جاتی ہے اور وہ جو کچھ سمجھتا اور جانتا ہے، یکسر اس کے گردو پیش کے اثرات کا عکس ہوتا ہے۔ پس وہ کون سی چیز ہے، جو ایک شخص پر ان تمام اثرات کے خلاف جو اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے رہتے ہیں، بالکل ایک نئے خیال اور عقیدے کی راہ کھول دیتی ہے۔ اور وہ باوجود تمام ملک اور زمانے کو اپنا مخالف دیکھنے کے تن تنہا اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ رسم و رواج، معتقدات عالم، دولت و ثروت، اور حکومت و سلطنت کے مقابلے میں حق کی تائید اور نصرت کے لیے جہاد کرے؟

بت پرست کے گھر بت شکن کی پیدائش

یہ کیا نیرنگی ہے کہ آزر بت تراش کے گھر میں خلیل بت شکن پیدا ہوتا ہے اور پرستاران لات ومنات کی سرزمین سے صدائے توحید وحق پرستی بلند ہوتی ہے؟

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰی یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ و مُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ؟ (٦ : ٩٥)

بیشک خدا (ہی) ہے جو زمین کے اندر بیج اور دانے کو پھاڑ کر اس سے ایک درخت قوی و بلند پیدا کر دیتا ہے۔ وہی زندے کو مردے سے نکالتا ہے اور مردے کو زندے سے پیدا کرتا ہے۔ یہی عجائب قدرت کے کرشمے دکھلانے والی ذات تمہاری مالک ہے، پھر تم کدھر بہکے جاتے ہو؟

مقام نبوت اور برگزیدہ جماعت

درحقیقت یہ ملکۂ ہدایت اور فطرت صحیحہ کے (روحانی ارتقاء) کا ایک سلسلہ ہے جس کا آخری درجہ مقام نبوت ہے، مگر اس کی ابتدا صلحائے امت کے مرتبے سے ہوتی ہے۔ وہ تمام

نفوس قدسیہ جن کو خدا تعالیٰ ہدایت وارشاد عالم کے لیے چن لیتا ہے، اگرچہ نبی نہیں ہوتے، مگر اس زنجیر کی ایک کڑی ہوتے ہیں، جس کی آخری کڑی مرتبہ نبوت اور رسالت ہے۔

چہارگانہ مراتب ارتقائے انسانی

اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو فیضان نبوت سے مستفید ہونے کے لیے کھول دیتا ہے اور جس طرح آفتاب کی روشنی تمام ستاروں کے اجسام کو روشن ومنور کر دیتی ہے، بالکل اسی طرح ان کے قلوب آفتاب نبوت کی ضیاء بخشی سے انوار اندوز ہو کر چمک اٹھتے ہیں۔ اسی ارتقائے انسانیت کے وہ چار مراتب ہیں جن کو قرآن کریم نے بالترتیب اس آیت میں گنایا ہے، اور ان کو خدا تعالیٰ کی تمام نعمتوں اور برکتوں کا مورد ومہبط قرار دیا ہے کہ :

> مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَ الصَّالِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقاً (۴ : ۶۹)
>
> جن پر خدا نے انعام کیا ہے، اور وہ نبی ہیں، صدیق ہیں، شہید ہیں اور تمام نیک اور راستباز انسان ہیں اور جس کسی کے رفیق ایسے لوگ ہونگے تو ایسے رفیق کیا ہی اچھے رفیق ہیں!

جو لوگ تمام شیطانی طاقتوں سے باغی ہو کر "مقام اطاعت خدا اور سول" کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں، ان کا شمار انہی چار جماعتوں کے متبعین میں ہو جاتا ہے اور وہ ان کے رفیق اور ساتھی بن جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ ان تمام الٰہی نعمتوں اور برکتوں کے بھی مستحق ہو جاتے ہیں، جن کا خدا تعالیٰ نے ان جماعت ہائے اربعہ کو مستحق قرار دیا ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ اور امر بالمعروف

گویند مگو سعدی چندیں سخن عشقش
می گویم و بعد از من، گویند بدستانہا

قیام اسلام کا مقصد اصلی

اور یہی ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' ہے جس کو قرآن کریم ''جہاد فی سبیل اللہ'' کے جامع و مانع لقب سے یاد کرتا ہے اور اس کو قیام اسلام کا مقد اصلی اور مسلمانوں کے تمام اعمال وعبادات کا مبدء حقیقی قرار دیتا ہے۔

اشتقاق اور تعریف لفظی

''جہاد'' لفظ ''جہد'' سے ہے جس کے معنی محنت، تعب، مشقت اور کسی کام کے لیے سخت تکلیف برداشت کرنے کے ہیں۔ پس جہاد کی تعریف یہ ہے:

استفراغ الوسع فی مدافعة العدوّ ظاهراً و باطناً

(مفرادت امام راغب اصفهانی)

دشمن کے حملے کی مدافعت میں اپنی پوری طاقت اور قوت سے کوشش کرنا، وہ دشمن ظاہری حملہ آور ہو مثلاً اعدائے دین وملت اور ان کا حرب وقتال، یا باطنی جیسے نفس ومظاہر شیطان۔

مقصد اسلام

اسلام کا مقصد اصلی دنیا میں قیام حق وصداقت اور دفع باطل وضلالت ہے، یعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر، خواہ وہ کسی صورت اور کسی شکل میں ہو اور یہ ممکن نہیں، جب تک کہ ان تمام باطل پرستیوں اور گمراہیوں کو دور نہ کیا جائے، جن کو حق کی ضد حقیقی یعنی قوت شیطانی مختلف مظاہر واشکال میں ہمیشہ پیدا کرتی رہتی ہے۔

پس اس بناء پر ہر طرح کی انسانی گمراہیوں کے دور کرنے کے لیے سعی کرنا اور باطل و ظلم کے مقابلے میں حق وعدل کا حامی و ناصر ہونا، عین مقصد اسلام وعلت ظہور رسالت، و سبب نزول شریعت ہے اور اسی نصرت حق و دفع باطل کی سعی و کوشش کا نام اصطلاح قرآنی میں ''جہاد فی سبیل اللہ'' ہے۔

نہی عن المنکر کا دوسرا نام

اس مطلب کو زیادہ واضح کرنے کے لیے یوں سمجھے کہ ''امر بالمعروف'' اسلام کا مقصد اصلی ہے لیکن ''امر بالمعروف'' ہو نہیں سکتا، جب تک کہ نہی عن المنکر نہ کیا جائے۔ امر بالمعروف کے معنی ہیں نیکی اور صداقت کی طرف بلانا اور اس کا حکم دینا اور نہی عن المنکر سے مقصود ہے برائیوں اور گمراہیوں کو روکنا۔ لیکن نیکی اور صداقت تو برائیوں کے دور ہونے ہی کا نام ہے اور روشنی کے معنی ہی یہی ہیں کہ تاریکی نہ ہو۔ کپڑا صاف کیونکر رہ سکتا ہے جبکہ آپ اسے سیاہ دھبوں سے نہ بچائیں گے؟ پس امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر ناگریز ہے اور نہی عن المنکر کا دوسرا نام ''جہاد فی سبیل اللہ'' ہے۔

باطل پرستی کا استیلاء

صاحب مفردات نے نہایت اچھا لفظ ''ظاھراً و باطنا'' رکھ دیا ہے، یہ باطل پرستی و ضلالت کا استیلاء کبھی تو انسانوں کے غولوں اور ان کے خونریز ہتھیاروں کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی اعتقادات اور اعمال و افعال کی صورت میں۔ کبھی ضلالت تلوار اور تفنگ ہاتھ میں لے کر مسجدوں کی محرابوں اور اذان کے میناروں پر اعلانیہ قبضہ کرنا چاہتی ہے، تاکہ پرستاران حق کو نابود کرے اور کبھی خیالات و عقاید کے مخفی ہتھیار لے کر چپکے چپکے ان انسانی قلوب اور اذہان کو مسخر کرنا چاہتی ہے، جو حق کی پرستش کی مخفی مگر حقیقی عبادت گاہیں ہیں۔ کبھی وہ جنگ کی تلوار لے کر نکلتی ہے اور کبھی فریب کا دام و کمند۔ کبھی اس کے ہاتھ میں توپوں کے مشتعل کرنے کا فتیلہ ہوتا ہے اور کبھی زہر آلود جام شربت۔ دونوں قوت شیطانی کے مظہر اور دونوں اس کی حکومت کی ظاہر و مخفی فوج ہیں۔

معانی جہاد

پس ''جہاد'' کے معنی یہ ہیں کہ جب گمراہی کا ظہور جنگ کے ہتھیاروں کی صورت میں ہو تو پرستاران حق و امانت داران توحید کے ہاتھ میں بھی تیغ جہاد ہو اور یہ دشمن ظاہری کے مقابلے میں مدافعت ہے۔ لیکن جہاں گمراہی کا ظہور نفس و شیطان کی پھیلائی ہوئی باطل پرستی اور جہل و ضلالت کے اعتقادات و اعمال اور اوہام و خیالات کی شکل میں ہو، تو وہاں مومن و مسلم کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اسلحہ کے ذریعہ اپنی زبان اور قلم سے اس کے دفع و ابطال میں جہاد کرنا چاہیے اور یہ باطنی دشمن کے مقابلے میں مدافعت ہے۔

تشریح معنی جہاد

یہی سبب ہے کہ متعدد احادیث میں حکم جہاد کی تشریح کی گئی اور قلب وضمیر کی ان تمام کوششوں کو جو نفس وشیطان کے مقابلے میں کی جائیں، جہاد سے تعبیر کیا گیا۔ مثلاً فرمایا:

جاھدوا اھوائکم کما تجاھدون اعدائکم !

اپنے ہوائے نفس کے مقابلے میں بھی ویسا ہی جہاد کرو، جیسا کہ ظاہری دشمنوں کے مقابلے میں ہتھیاروں سے جہاد کرتے ہو۔

اور فی الحقیقت یہی جہاد اکبر ہے۔

ایک دوسری حدیث میں جس کو نسائی اور ابوداؤد نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے، زیادہ توضیح فرمائی کہ :

جاھدوا المشرکین بانفسکم و اموالکم السنتکم

باطل پرستوں کے مقابلے میں اپنی جان، اپنے مال، اور اپنی زبان کے ذریعہ جہاد کرو۔

یعنی فرض جہاد کبھی حرب وقتال کی صورت میں، کبھی اعلائے حق کے لیے مال لٹانے کی صورت میں اور کبھی زبان سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے کی شکل میں انجام پاتا ہے۔

قربانی جان ومال کا دوسرا نام

اسلام امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لیے آیا، اور امر بالمعروف اور جہاد، دونوں ایک ہی حکم کے دو نام ہیں۔ پس ہر وہ کوشش جو حق کے لیے ہو، ہر وہ صرف مال جو سچائی اور نیکی کی خاطر ہو، ہر وہ محنت ومشقت جو صداقت کے نام پر ہو، ہر وہ تکلیف ومصیبت جو اپنے جسم وجان پر راہ حق میں برداشت کی جائے، ہر وہ قید خانے کی زنجیر اور بیڑی جو اعلان حق کی وجہ سے پاؤں میں پڑے، ہر وہ پھانسی کا تختہ، جس پر جمال حق وصداقت کا عشق لے جا

کر کھڑا کر دے، غرض کہ ہر قربانی جو بذریعہ جان، مال اور زبان وقلم کے سچائی اور حق کی راہ میں کی جائے، جہاد فی سبیل اللہ ہے، اور معنیٔ جہاد میں داخل۔

خطاب ''مجاہد'' کا حقدار

تم اپنا روپیہ اس کے نام پر لٹاؤ، اپنی گردنوں سے خون کا سیلاب بہاؤ گردن کو طوق سے، ہاتھوں کو ہتھکڑیوں سے، پاؤں کو زنجیروں کے زیور سے حسن حق پرستی کا جلوہ گاہ بناؤ، زبان سے حق کا اعلان کرو، اور قلم کو توہین وتذلیل شاطین ضلالت کے لیے وقف کر دو۔ اس کو عزت دو جو حق کی عزت کرتا ہے اور اس کو ذلیل کرو جو حق کو ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ دنیا کے رشتوں کو اللہ کے رشتے پر ترجیح نہ دو اور سب سے کٹ جاؤ تاکہ اس کے ہو سکو۔ حق کی خاطر دوست بنو اور حق کی خاطر دشمن۔ نیکی کے آگے تمہاری گردن جھکی ہوئی، لیکن بدی کے آگے بلند ومغرور رہو۔

ان تمام حالتوں میں سے کوئی بھی حالت ہو، درحقیقت جہاد فی سبیل اللہ اور مقام امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں داخل ہے اور جس خوش نصیب کو تائید الٰہی اس کی توفیق دے وہ مجاہد فی سبیل اللہ کے خطاب کا مستحق ہے۔

حقیقت جہاد اور حقیقت اسلامیہ

یہی سبب ہے کہ حکم جہاد اسلام کے ساتھ لازم وملزوم ہے اور کوئی ہستی مسلم وموحد نہیں ہو سکتی، جس وقت تک کہ مجاہد نہ ہو۔ کیا نہیں دیکھتے کہ قرآن کریم میں ہر جگہ جہاد فی سبیل اللہ کو ''مسلم'' کی خصوصیات میں شمار کیا ہے؟

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ
عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ، هُوَ

سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِیْ ھٰذَا، لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْدًا عَلَیْکُمْ ، وَتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ، فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ھُوَ مَوْلٰکُمْ ، فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ! (۷۸:۲۲)

اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو، جو حق جہاد کرنے کا ہے۔ اس نے تم کو تمام دنیا کی قوموں میں سے برگزیدگی اور امتیاز کے لیے چن لیا۔ پھر جو دین تم کو دیا گیا ہے، وہ ایک ایسی شریعت فطری ہے جس میں تمہارے لیے کوئی رکاوٹ نہیں۔ یہی ملت تمہارے مورث اعلیٰ ابراھیم خلیل کی ہے، اور اس نے تمہارا نام ''مسلمان'' رکھا ہے، گذشتہ زمانوں میں بھی اور اب بھی۔ تاکہ رسول تمہارے لیے، اور تم تمام عالم کی ہدایت اور نجات کے لیے شاہد ہو۔ پس اللہ کی رشتے کو مضبوط پکڑو جان اور مال دونوں کو اس کی عبادت میں لٹاؤ۔ وہی تمہارا ایک آقا اور مالک ہے اور پھر جس کا خدا مالک و حاکم ہو، اس کا کیا اچھا مالک ہے اور کیسا قوی مددگار!

منکرین حق کے لیے شمشیر برہنہ

فی الحقیقت یہ آیت کریمہ ہمارے مقصود اصلی کے اظہار کے لیے ایک شہادت قاہرہ اور منکرین حق و پرستاران نفاق کے قلع وقمع و ہلاکت کے لیے ایک سیف اللہ المسلول ہے:

فَلِلّٰہِ الْحُجَّۃُ الْبَالِغَۃُ فَلَوْشَآءَ لَھَدٰکُمْ اَجْمَعِیْنَ (۶ : ۱۴۹)

کامل اور پکی دلیل اللہ ہی کے لیے ہے، جو اس نے سمجھ بوجھ رکھنے والوں پر واضح کر دی ہے پس اگر وہ چاہتا تو سب کو راہ دکھا دیتا کیونکہ اس کی

قدرت سے باہر کوئی چیز نہیں مگر اس نے ایسا نہ چاہا اور اس کی مملکت کا
فیصلہ یہی ہوا۔

فضلیت و بزرگی کی وجہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تمام عالم میں فضلیت و بزرگی عطا فرمانے کی بشارت دی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے ان کے اس ''اسوۂ حسنہ'' پر توجہ دلائی کہ انھوں نے راہ محبت الٰہی میں اپنے نفس کے جذبات اور اپنے فرزند عزیز کی جان قربان کر دی تھی اور تم انہی کے پیرو اور انہی کے ملت حنیفی کی طرف منسوب ہو، ''اقیموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ'' کہہ کر جسم اور مال، دونوں کے ایثار و قربانی کی تعلیم دی کہ فی الحقیقت نماز سے مقصود اپنی تمام نفسانی خواہشوں اور قوتوں پر عبودیت کے عجز و انکسار کی قربانی طاری کرنی ہے اور اس کے بخشے ہوئے سر کو اسی کی چوکھٹ پر رکھ دینا ہے اور زکوۃ کا حکم ایثار مال و دولت کا حکم دیتا ہے، تا کہ انسان اپنی پیدا کی ہوئی دولت میں انفاق فی سبیل اللہ کو بطور ایک شریک کاروبار حقدار کے حصہ کے ہمیشہ تسلیم کرتا رہے۔

حاکم المسلمین کی وجہ تسمیہ

اس کے بعد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو نسبت ابراہیمی و اسلامی کی علت حقیقی قرار دیا اور کہا کہ ''تمہارا نام مسلم اس لیے رکھا گیا ہے تا کہ اعلان حق کر کے تمام عالم کے لیے گواہ بنو اور رسول ﷺ تمہاری ہدایت کا شاہد ہو'' اور پھر ان تمام خصوصیات و خصائل کو آغاز آیت میں بطور نتیجہ بیان کے پیش کیا کہ ''جاھدو ا فی اللّٰہ حق جھادہ ''یعنی جب کہ ان تمام فضائل و خصائل سے تم متصف کیے گئے ہو پس تمہارا فرض ہے کہ اللہ اور اس کے کلمہ حق و صدق کی راہ میں جہاد کرو اور اس کے لیے اپنی انتہائی سعی اور تمام قوتیں وقف کر

دو تا کہ حق جہاد تم سے ادا ہو سکے۔

اور چونکہ اس حقیقت اسلامی اور اُسوۂ ابراہیمی کے حاصل کرنے میں طرح طرح کے شدائد و مصائب اور امتحان و ابتلا ناگریز یر تھے، پس آخر میں کہا کہ: ''واعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰكُمْ'' نفس کی ترغیبات و وساوس سے متاثر اور باطل و ضلالت کے دنیوی ساز و سامان اور قوت و عظمت سے مرغوب مت ہو، صرف اللہ کے ہو جاؤ اور اس کے رشتے کو مضبوط پکڑ لو اوروں نے دنیا میں اپنے بہت سے آقا اور مالک بنا لئے ہیں، مگر تمہارے لیے وہ سب اصنام و طواغیت ہیں۔ تمہارا مالک ایک مالک الملک ہے۔ پس کیا اچھا وہ مالک ہے اور کیا اچھا مددگار! اسی پر بھروسہ کرو اور تمام عالم سے بے خوف و نڈر ہو جاؤ!

> اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ؟ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (۳: ۱۶۰)
>
> اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی نہیں جو تم پر غالب آ سکتا ہو، لیکن اگر وہی تمہیں چھوڑ بیٹھے، تو بتلاؤ کون ہے جو اس کے چھوڑ دینے کے بعد تمہارا مددگار ہو سکتا ہے یقین کرو وہ صرف اللہ ہی کی ذات ہے، پس چاہیے کہ جو مومن ہیں وہ اسی پر بھروسہ رکھیں۔

منصور من اللہ جماعت

عود الی المقصود

پس در حقیقت ''امر بالمعروف'' ایک اشرف ترین جہاد فی سبیل اللہ ہے، جس کے سلسلہ حقہ کے تا قیامت قائم رہنے کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے اور احادیث صحیحہ میں خبر دی گئی

ہے کہ باوجود شیوع فتن وفساد، امت مرحومہ میں ہمیشہ ایک جماعت حق قائم رہے گی، جس کے مجاہدات کو حق تعالیٰ احیائے شریعت اور تجدید حیات ملت کا وسیلہ بنا دے گا۔

سب سے بڑی علامت ونشانی

اور پھر ان احادیث میں اس جماعت کی سب سے بڑی علامت یہ بتلائی گئی ہے کہ:

ظاھرین علی الحق ، لایضرھم من خذالھم حتی باتی امر الله و ھم کذاک

یعنی وہ جماعت منصور من اللہ ہوگی۔ اللہ اس کی دعوت حق کی حفاظت کرے گا، اس کو گمراہ جماعتوں پر فتح یاب رکھے گا اور شیاطین ضلالت کی جوزریات اس کی مخالت کریں گی، وہ اسے کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گی۔ یہ حالت برابر قائم رہے گی، یہاں تک کہ قیامت کا ظہور ہو۔

نزول نعائم الٰھیہ ونصرت ربانیہ

اور یہ پیشین گوئی صدہا آیات کریمہ، وتجارب تاریخیہ ومشاہدات اہل حق و معارف کے عین مطابق ہے۔ وہی آیت کریمہ، جس کو ہم نے خطبۂ مضمون کے آخر میں درج کیا تھا، ہم کو اس علامت کی خبر دیتی ہے :

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (۴ : ۶۹)

اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی، بلاشبہ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر خدا نے انعام کیا ہے، اور وہ نبی ہیں، صدیق ہیں، شہید ہیں اور تمام نیک اور راستباز انسان ہیں اور جس کسی کے رفیق ایسے لوگ ہونگے تو ایسے رفیق کیا ہی اچھے رفیق ہیں!

کہ جو لوگ تمام شیطانی قوتوں سے باغی ہو کر صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مطیع و منقاد ہو جاتے ہیں، خدا تعالیٰ ان کو اپنی ان محبّ و محبوب جماعتوں میں شامل کر دیتا ہے جن کو اس نے اپنی نعمتوں اور برکتوں کے لیے چن لیا ہے اور پھر وہ لوگ صالحین امت کے مرتبے تک پہنچ کر، بادہ نوشان جام شہادت کے مقام پر فائز المرام ہوتے ہیں اور وہاں سے ترقی کر کے مرتبہ صدیقیت تک مرتفع ہوتے ہیں اور پھر اس کے بعد براہ راست آفتاب نبوت سے بہرہ اندوز انوار و تجلیات ہوتے ہیں :

ومن بعد هذا يدق صفاته
وما كتمه احظى الديه و اجمل

معانی اطاعت شعاری

ہم نے آغاز تحریر میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ مقام اطاعت خدا اور رسول ﷺ کے معنی یہ ہیں کہ انسان ہر طرف سے کٹ کر صرف خدا اور اس کے کلمۂ حق کا ہو جائے اور دنیا میں جس قدر اس سے باغی قوتیں ہیں ان کی طرف سے منہ موڑ لے:

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى (۲۲:۳۱)

اور جس نے ہر طرف سے گردن پھیر کر اللہ کی طرف منہ کر لیا، اور حسن عمل اختیار کیا، تو بس یقین کرو کہ اس نے اللہ کی اطاعت کی رسی مضبوط پکڑ لی اور یہی حقیقت امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ہے۔

دنیا میں سب سے بڑی نعمت

پس جو لوگ اطاعت خدا اور رسول ﷺ کے ذریعہ دوستان الٰہی کی صفوں میں داخل ہو گئے، ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی ''الذين انعم الله عليهم'' میں شامل کر کے اپنی نعمتوں اور غیبی برکتوں کا مورد و مہبط بنا دے اور دنیا میں سب سے بڑی نعمت الٰہی، نتیجہ کار کی

فتح مندی اور ہمتوں اور عزموں کی کامیابی اور فلاح ہے۔

نصرت فرمائے حق کی جماعت

ان کے کاموں کی انجام دہی

چونکہ وہ لوگ اپنے تئیں خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں اور اس کے کلمۂ حق کے اعلان کے لیے اپنی تمام قوتوں کے ساتھ وقف ہو جاتے ہیں، پس خدا تعالیٰ بھی بحکم: ''من تقرب الی شبرا تقربت الیہ زراعاً'' (جو میرا بندہ ایک بالشت بھر میری طرف چلتا ہے میں ہاتھ آگے بڑھ کر اس سے قریب تر ہو جاتا ہوں) ان کو اپنا بنا لیتا ہے اور ان کے تمام کاموں پر اپنی عزت اور کبریائی کی چادر ڈال دیتا ہے۔ پھر وہ کام ان کے نہیں رہتے، بلکہ خدا کے ہو جاتے ہیں اور ان کو انجام دینے والی ان کے جسم و نفس کی قوتیں نہیں ہوتیں، بلکہ اللہ کا مقتدر و قاہر ہاتھ ہوتا ہے۔ ان کی آواز گو ان کے حلق سے نکلتی ہے، لیکن چونکہ حق و معروف کی آواز ہوتی ہے، اس لیے ان کی نہیں، بلکہ صورت الٰہی کی صدائے زوال ہوتی ہے۔

سرفرازی فوج الٰہی

وہ راہ الٰہی میں مجاہد ہوتے ہیں، پس خدا بھی ان کو اپنی فوج بنا لیتا ہے اور ان کے ہاتھ میں اپنی تائید و نصرت کا حربہ دے کر، ایک پیچھے رہ کر لڑانے والے سپہ سالار کی طرح لڑاتا ہے۔ بظاہر وہ بے مایہ و سامان اور حقیر و عاجز انسان نظر آتے ہیں مگر ان کا دل قوت الٰہی اور جبروت ربانی کا مسکن ہوتا ہے۔ ان کے ہاتھ دنیا کے ظاہری ہتھیاروں سے خالی ہوتے ہیں، پر خدائے قدوس کی شمشیر جلال ان کی انگلیوں کی حرکت سے متحرک ہوتی ہے اور صف اعدا پر گرتی ہے۔

پشت پناہی خداوندی

وہ کارزار عالم میں تن تنہا اور بے یار و مددگار ہوتے ہیں۔ مگر ان کے یمین و یسار نصرت خداوندی کے ملائکہ مسومین کی صفیں ہوتی ہیں۔ خدا ان کے عجز کو اپنی کبریائی سے، ان کے تذلل وانکسار کو اپنی عظمت وعزت سے، ان کے ضعف و کمزوری کو اپنی قوت و طاقت سے اور ان کی بے ساز و سامانی کو اپنی مالک الملکی سے بدل دیتا ہے۔

خدا کی آواز اور نظر کی تاب

پھر جب وہ بولتے ہیں تو ان کی آواز میں صدائے حق کی گرج ہوتی ہے اور جب نظر اٹھاتے ہیں تو ان کی نگاہوں سے نور الٰہی کے شعلے نکلتے ہیں۔ ان کی آواز سے نسل شیطانی کے طاقتور دل دہل جاتے ہیں اور ان کی نگاہوں کی طرف گمراہی و ضلالت کی نظریں اٹھ نہیں سکتیں، کیونکہ تم انسان کی آواز اور نظر کا مقابلہ کر سکتے ہو، لیکن خدا کی آواز پر غالب آنے اور اس کی نظر کی تاب لانے کی کس میں طاقت ہے؟

اس موقع پر اس حدیث قدسی کو یاد کرلو، جس کو امام بخاری کتاب التواضع میں بروایت ابو ہریرہؓ لائے ہیں، کہ:

فاذا احببته، کنت سمعه الذی یسمع به، وبصره الذی یبصر به، ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها، ولسانه الذی یتکلم به والئن سألنی لا عطینه' و لئن استعاذنی ، لا عیذنه

میں اپنے کسی بندے کو اپنا دوست بنالیتا ہوں اس کا کان ہو جاتا ہوں، میرے کان سے سنتا ہے۔ اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں، وہ میری آنکھ سے دیکھتا ہے، اور ان کا ہاتھ ہو جاتا ہوں وہ میرے ہاتھ سے پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں، میرے پاؤں سے چلتا ہے، اور اس کی زبان ہو

جاتا ہو، وہ میری زبان سے بولتا ہے، پھر وہ جو مانگتا ہے اسے عطا کرتا ہوں اور جب پناہ مانگتا ہے، تو اپنی پناہ میں لے لیتا ہوں۔

کیا ہی خوب ہے:

من بجاناں زندہ ام وز جاں نیم　　من زِجاں بگذشتم و جاناں نیم
چشم و گوش دست و پائم اوگرفت　　من بدر رفتم، سرایم اوگرفت
ایں بصروایں سمع، چوں آلات اوست　　بلک ذرات تنم مرآت اوست
نغمہ ازنائیست نے از نے؛ بداں　　مستی از ساقیست، نے ازمئے؛ بداں
چوں مرادیدی، خدارا دیدۂ　　گرد کعبۂ صدق برگردیدۂ
گفتن من گفتن اللّٰہ بود　　گرچہ از حلقوم عبد اللّٰہ بود
ماچومست ازدیدن ساقی شدیم　　مست گشتیم، از فنا باقی شدیم

یقینی کامیابی وفتحمندی کا طرۂ امتیاز

پس چونکہ اس جماعت کے تمام کاموں کو اللہ اپنا کام بنالیتا ہے، اس لیے خود ان کا وجود کتنا ہی ناکام وحقیر ہو، لیکن ان کے کام کامیاب وعظیم ہوتے ہیں اور وہ کبھی دنیا میں ناکامی ونامرادی سے ذلیل ورسوانہیں ہوتے۔ وہ خدا کا ہاتھ، یا پھر اس کی فوج ہوتے ہیں، پس خود ان کو شکست کا غم ہو لیکن خدا کو تو شکست کا خوف نہیں؟

وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ، اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ (۱۷۳:۳۷)

اور ہم نے اپنے جن بندوں کو ارشاد وہدایت کے لیے لوگوں کی طرف بھیجا ان کی نسبت پہلے ہی دن سے ہم نے کہہ دیا ہے کہ ہماری تائید و نصرت سے بے شک وہی فتح منداور کامیاب ومظفر ہونے والے ہیں، اور یقیناً ہماری فوج ہی سب پر غالب آ کر رہے گی۔

عجوبہ روزگار کاروبار دعوت

صدائے حق کا سرچشمہ

اگر چشم دل واء اور دیدۂ بیں ہیں کور نہ ہو، تو فی الحقیقت دنیا میں نصرت الٰہی کی نیرنگیوں کی سب سے بڑی نشانی اس جماعت کے عجائب کاروبار دعوت میں ہوتی ہے ۔ دنیا میں حق وصداقت کی آواز کبھی بھی تاج وتخت اور ایوان ومحل کے اندر سے نہیں اٹھی ہے، بلکہ ہمیشہ اس کا سرچشمہ ویران جنگلوں، پھونس کی جھونپڑوں اور پہاڑوں کی غاروں کے اندر بہا ہے، اور یہ بھی اس شاہد عجائب پسند کا عجیب وغریب کرشمہ ہے کہ ہمیشہ شکستگی اور افتادگی ہی کو محبوب رکھتا ہے۔

محل جلوہ نمائی

اپنا گھر بھی بناتا ہے تو ٹوٹے ہوئے اور زخمی دلوں کو، اپنی آواز بھی سناتا ہے تو کانٹے پڑے ہوئے خشک حلقوں سے، اپنی نگاہوں کا جلوہ بھی دکھاتا ہے تو گردنوں کی خونچکاں اور تڑپتی ہوئی لاشوں کے اضطراب میں ۔ اور پھر اپنے حسن و جمال کا جلوہ گاہ بھی بنائے گا تو تاریک غاروں، شکستہ دیواروں، پھٹی ہوئی چٹائیوں کو :

مجربہ محمل شاہی کہ در ولایت عشق

گدا بہ تخت نشانند و پادشہ گیرند

کارساز حقیقی کی تماشہ آرائی

پھر اگر وہ نہیں تو کون ہے کس جس کا ہاتھ گلیم فقر و مسکینی سے نکلتا ہے اور پادشاہوں کے تاج وتخت کو الٹ دیتا ہے؟ یہ کس کی تماشہ آرائی ہے کہ چند بے نوا فقیروں کو کھڑا کر دیتا ہے اور وہ دنیا کی بڑی بڑی قوتوں کے تسلط سے نکال کر لاکھوں دلوں کو اپنے آگے سربسجود کرا لیتے ہیں؟

اَفَسِحْرٌ هٰذَآ، اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ (۵۲ : ۱۵)

کیا یہ جادو کا کرشمہ ہے، کیا تم اتنا بھی نہیں دیکھتے؟

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ، وَ تَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ؟ وَ اَنْتُمْ سَامِدُوْنَ (۵۳ : ۵۹ : ۶۱)

کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو، اور کیا تم رونے کی بجائے ہنستے ہو، اور کھیل کود میں لگے رہتے ہو؟

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ (۴۳: ۲۹)

بلاشبہ ہم یہ مثالیں بیان کرتے ہیں لیکن وہی لوگ ان سے عبرت اندوز ہوتے ہیں جو ان باتوں کا علم رکھنے والے ہیں؟

مبین حقیر گدایان عشق را، کیں قوم
شہان بے کمر و خسروان بے کلہ اند

قدرت الٰہی کا قانون اٹل ہے

امر بالمعروف کا عرفان

تصریف آیات قرآنی

بارہا گفتہ ام و بار دگر می گویم

آپ تکرار بیان سے مکدر نہیں ہوں کہ اعلان صداقت میں کبھی بھی ندرت نہیں ہوتی، بلکہ صرف تکرار و اعادہ ہی ہوتا ہے۔ جو چیز نئی ہے، اس کی جدت سے لطف اٹھا لیے، لیکن صداقت جو ایک ہی ہے، اور ہمیشہ سے ہے، اس کے اعلان و دعوت میں جدت و ندرت کہاں سے آئے گی؟ سوا اس کے کہ بار بار دھرائی جائے اور ایک ہی بیج کی مختلف موسموں میں بار بار تخم ریزی ہو۔ شاید کسی وقت زمین اسے قبول کر لے اور برگ و بار و شجر و اثمار سے مالا مال ہو جائے:

ما طفل کم سوادو سبق قصہ ہائے درست

صد بار خوندہ و دگر از سر گرفتہ ایم

قرآن کریم میں ایک ہی بات کا بار بار اعادہ کیا گیا ہے۔ اس کی علت پر تدبر کیجئے کہ کیا تھی؟ فرمایا کہ:

اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ (٦:٤٦)

دیکھو، ہم اپنی آیتوں کو کس کس طرح پھیر پھیر کر مختلف صورتوں اور مختلف اطراف سے نتائج کے ساتھ بیان کرتے ہیں تا کہ لوگ سمجھیں اور عقل و بصیرت حاصل کریں۔

فضل الٰہی نے روز اول ہی سے اس عاجز کی زبان پر "امر بالمعروف و نھی عن المنکر" کا لفظ جاری کر دیا ہے و او کرہ المنافقون المفسدون، و الملحدون المسارقون۔ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ۔(٩:٣٢)

یہ کاروبار الٰہیہ کا وہ مقصد وحید ہے کہ دنیا میں شریعتوں کا ظہور اسی لیے ہوا، ان کے متبعین اور ایمۂ وخلفا کی زندگیاں اسی غرض سے مقدس کی گئیں، صداقتوں کے علم اسی کے اعلان کے لیے لہرائے، تاریکیوں میں روشنی کے منارے اسی کے واسطے ظلمت ربائے عالم ہوئے اور حق وہدایت کے معبد جب کبھی تعمیر ہوئے تو اسی کے نام پر پکارے گئے۔

حکومت الٰہیہ کا اعلان

یہ ایک تلوار ہے، جس کو اللہ کا ہاتھ چمکاتا ہے، تا کہ شیطان اور اس کی فوجوں کو خاک و خون میں لوٹائے۔ یہ ایک عام حقانیت ہے، جو اللہ کے مخفی ہاتھوں سے بلند ہوتا ہے، تا کہ شیطان آباد ضلالت میں اللہ کی حکومت کا اعلان کر دے۔

مفاسد شیطان سے طہارت ارضی

یہ نصرت وفتحمندی کی ایک جنود مخفی ہے، جس کو خدا اپنے بندوں کے تابع کر دیتا ہے، تا کہ وہ ضلالت ومفاسد کے شیاطین سے حرب وقتال کریں اور ان کی پھیلائی ہوئی خباثت سے اس کی زمین کو پاک کر دیں۔ یہ شہنشاہوں کی سی عظمتوں اور ملکوں اور قوموں کی سی

طاقتوں کا ظہور ہوتا ہے، تاکہ جو پرستاران ابلیس اللہ کی جلال صداقت کی تحقیر کرتے ہیں، ان کو اللہ کی عزت کی خاطر ذلیل و رسوا کرے، ان کے مغرور سروں کو اپنی جبروت حق و صداقت کے پاؤں سے ٹھوکر مارے اور ظالمانہ روندے، ان کے غلیظ و تاریک سینوں کو اعلان وارشاد کے نیزہ ہائے بے امان سے چھلنی کردے، ان کے دعواہائے باطلہ واعلانات کاذبہ کی بڑی بڑی عمارتوں کو، جن کی بنیادیں شیطان کے ہاتھوں سے محکم اور جن کی محرابیں ارواح خبیثہ کی پرواز سے بلند کی گئی ہیں، یکسر مسمارو منہدم کردے۔

فتنہ استبداد واستعباد پر غلبہ الٰہی

طغیان وفساد کا حقیقی سرچشمہ

انسانی استبداد واستعباد کے وہ مہیب بت، جنہوں نے اپنی غلامی کی زنجیروں سے خدا کے بندوں کو جکڑ دیا ہے اور جن کی قوۃ شیطانیہ کے مظاہر کبھی حکومتوں کے جبر و تسلط کی صورت میں، کبھی دولت و مال اور عزو جاہ کے غرور میں، کبھی جماعتوں کی حکمرانی اور رہنمائی کے ادعا میں اور کبھی علم و فضل اور زھد وتقویٰ کے گھمنڈ میں، غرضکہ مختلف شکلوں اور مختلف ناموں سے اللہ کے بندوں کو اللہ سے چھیننا چاہتے ہیں درحقیقت ارض الٰہی پر طغیان وفساد کا اصلی منبع اور شروفتن کا حقیقی سرچشمہ ہیں۔

حق و باطل میں جنگ اور فتح وشکست

پس خدا جو صداقت کی پرورش کرنے والا اور باطل کو اس کی مرادوں میں ناکامی بخشنے والا ہے، کبھی بھی اپنی قدرت کی نیرنگیاں دکھلانے سے غافل نہیں ہوتا۔ وہ اعلان حق اور قیام امر کے لیے ہمیشہ ایک یکساں اور غیر متغیر قانون کے ماتحت صداقتوں کو ظاہر

کرتا اور اس کے ذکر کو اپنی عظمت و جبروت سے علو و رفعت بخشتا ہے۔ تا کہ حق و باطل میں معرکہ قتال گرم ہو۔ جنود الٰہی اور جنود شیطانی باہم صف آرا ہوں۔ تلواریں چلیں، اور نیزوں کے سرے دل و جگر میں اتریں۔ بالآخر جب حوصلے نکل جائیں، ہمتیں ختم ہو جائیں، غرور اور گھمنڈ کی حسرتیں ایک ایک کر کے پوری ہو رہیں اور انسان اپنی ساری طاقت کو آزما لے، تو پھر بالاخر جس طرح کہ ہمیشہ ہوا ہے قدرت الٰہی کو فتح ہو، امر بالمعروف کی چھینی ہوئی حکومت پھر واپس آ جائے اور یہ نصرت عظیم اور فتح مبین حق و صداقت کے لیے ایک کھلی ہوئی نشانی ہو:

وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ، اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَالَهُمُ الْغَالِبُوْنَ (۳۷:۱۷۳)

اور ہم نے اپنے جن بندوں کو ارشاد و ہدایت کے لیے لوگوں کی طرف بھیجا ان کی نسبت پہلے ہی دن سے ہم نے کہہ دیا ہے کہ ہماری تائید و نصرت سے بے شک وہی فتح مند اور کامیاب و مظفر ہونے والے ہیں، اور یقیناً ہماری فوج ہی سب پر غالب آ کر رہے گی۔

سنتِ الٰہی اور سنت متبعین شریعت

ظہور و ورود!!

شریعت الٰہی ایک ہے اور صداقت کے بہت سے نام ہوں، مگر اس کا وجود ایک سے زائد نہیں۔ وللہ در ما قال:

عبــارا تنـــا شتى و حسـنك واحـد

و كــل الـــى ذاك الــجمـــال يشيــر !

پس صداقتوں کا ظہور ہمیشہ یکساں ہوا ہے اور خواہ وہ کسی نام سے ظاہر ہوئی ہوں، مگر اسی امر بالمعروف کی حقیقت میں داخل ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلدانیوں کا بت خانہ توڑا، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی شخصی حکمرانی کے ظلم واستبداد کا بت اور بنی اسرائیل کی غلامی کی زنجیریں توڑیں۔

پس چونکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر بھی ایک حقیقت ہے، جو حقائق نبوت سے ماخوذ اور اسی کے فیضان جاری کا اقتباس ہے، اس لیے اس کے متبعین کی سنت بھی ہمیشہ ایسی ہی رہی ہے اور ہمیشہ ایسی ہی رہے گی۔ وہ ہر باطل پرستی کا استیصال کرنا چاہتی ہے، جو مرضات الہیہ کے خلاف ہو، خواہ اس کا نام دنیا نے سیاست رکھا ہو، خواہ مذہب اور خواہ تم اس کو اخلاقی اباطیل سے موسوم کرو خواہ تمدنی سے، مگر جب کسی تاریکی کے مقابلے میں روشنی چمکے، جب گمراہیوں کی رات کے بعد صدا ہدایت کا آفتاب طلوع ہو اور جب شیطان کی خوشیوں کی جگہ خدائے رحمان کی خوشیوں کی پکار ہو، تو تم یقین کرو کہ وہ صداقت، جو ہمیشہ آیا کرتی تھی، آ گئی۔ وہ جمال ہدایت وسعادت، جس نے سخت سی سخت تاریکیوں میں اپنے چہرہ منور کو بے نقاب کیا تھا، اب پھر نظارہ گیاں حقیقت کے لیے بے نقاب ہو گیا اور خدائے قدوس وقیوم نے ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' کی سنت مرسلین وصدیقین کو پھر از سر نو زندہ کر دیا:

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ و الرَّسُوْلَ ۝ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ (۷۱:۴)

حواشی

[1] اس رسالہ کا اردو ترجمہ ''مسئلہ خلق قرآن'' کے نام سے چھپا ہے۔

[2] اس موقعہ پر ہمیں (نہج البلاغہ) کا ایک نہایت بلیغ قول یاد آ گیا اور اس کا کون سا بیان اعلیٰ ترین بلاغت اور بہترین حکمت سے خالی ہے؟ بعض اخبار یہود نے ان اختلافات و نزاعات کو دیکھ کر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ میں پیدا ہو گئے تھے۔ حضرت امیر علیہ السلام سے اعتراضاً کہا کہ:

:مادفنتم نبیکم اختلفتم فیه

ابھی تم لوگ اپنے نبی کو دفن بھی نہیں کر چکے تھے کہ اس کی نسبت اختلافات میں پڑ گئے۔

اس اعتراض سے مقصود یہ تھا کہ قرآن کریم ہر جگہ یہودیوں کو ان کے اختلاف اور تحریف و تبدیل شریعت کا الزام دیتا ہے، حالانکہ خود پیروان قرآن کا یہ حال ہے کہ آنحضرت کی وفات کے ساتھ ہی اختلافات و نزاعات میں پڑ گئے۔ لیکن حضرت امیر علیہ السلام نے اس قدر بلیغ و جامع اور پھر قاطع و فیصل کن جواب ارشاد فرمایا کہ: انما اختلفنا عنه ، لافیه (یہ سچ ہے کہ ہم میں اختلافات پیدا ہوئے، لیکن اپنے نبی کی نسبت نہیں، بلکہ ان چیزوں کی نسبت جو اسے تعلق رکھتی ہیں) یعنی ہم میں اختلافات امم گذشتہ کی طرح خود داعی مذہب کے وجود، اس کے درجہ رسالت، اس کی نبوت، اور نبوت کی صداقت کی نسبت نہیں پیدا ہوا، جس کی صحت و بقا پر دعوت دینا موقوف ہے، بلکہ ان چیزوں کی نسبت ہوا جو اس سے منسوب نہیں، یا پھر ان روایات کی نسبت ہوا، جو اس کی نسبت سے بیان کی جاتی تھیں۔ پھر آ گے:

چل کر فرمایا:

ولكنكم ماجفت ارجلكم من البحر ، حتى فلتم لبينم :

" اجعل لنا الها كما لهم الهه فقال انكم قوم تباه لئن"

(نهج البلاغه جلد دوم صفحه ۲۲۰ مطبوعه مصر)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب تم کو فراعنہ مصر کی غلامی سے نجات دلا کر ان کے ملک سے نکالا، تو ابھی دریائے قلزم کی تری تمہارے پاؤں میں خشک بھی نہ ہوئی تھی کہ تم نے باطل پرستی شروع کر دی اور اپنی فرمائش کی کہ "ہمارے لیے بھی ایک ویسا ہی بت بنا دے، جس طرح کے بت ان بت پرستوں کے پاس ہیں"۔

حیات ابوالکلام

ماہ وسال کے آئینے میں

مرتبہ: افضل حق قرشی

۱۷/اگست	۱۸۸۸ء	-	ولادت مکہ معظمہ
	۱۸۹۲ء	-	رسم بسم اللہ
	۱۸۹۸ء	-	آمد ہندوستان
		-	آغاز شاعری
	۱۸۹۹ء	-	وفات والدہ
		-	اجرا ماہنامہ "نیرنگ عالم" کلکتہ
۱۹۰۰	۱۹۰۱	-	شادی
۲۲/جنوری	۱۹۰۱ء	-	اجرا ہفتہ وار "المصباح"
		-	ادارت رسالہ محمدیہ کانپور
۵/جنوری	۱۹۰۲ء	-	"اعلان الحق" قدیم ترین دستیاب مطبوعہ تصنیف

		-	ادارت ہفتہ وار ''احسن الاخبار'' کلکتہ
	۱۹۰۳ء	-	تکمیل درس نظامی
مارچ	۱۹۰۳ء	-	معاون مدیر ماہنامہ ''خدنگ نظر'' لکھنؤ
	۱۹۰۳ء	-	ادارت ''ایڈورڈ گزٹ'' شاہجہانپور
۲۰ر نومبر	۱۹۰۳ء	-	اجراء ماہنامہ ''لسان الصدق''
جنوری، فروری	۱۹۰۴ء	-	تحصیل انگریزی
۱-۳ر اپریل	۱۹۰۴ء	-	شرکت سالانہ اجلاس انجمن حمایت اسلام لاہور
		-	اور حالی سے پہلی ملاقات
جنوری	۱۹۰۵ء	-	بنگال کے انقلابیوں سے تعارف
اپریل، مئی	۱۹۰۵ء	-	ماہنامہ ''لسان الصدق'' کا آخری شمارہ آگرہ کے مفید عام پریس سے شائع ہوا۔
	۱۹۰۵ء	-	بمبئی میں مولانا شبلی سے پہلی ملاقات اور ان کی طرف سے ''الندوہ'' کی ادارت کی دعوت
	۱۹۰۵ء	-	ادارت سہ روزہ ''وکیل'' امرتسر
اکتوبر	۱۹۰۵ء	-	معاون مدیر ماہنامہ ''الندوہ'' لکھنؤ
	۱۹۰۶ء	-	نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمٰن شیروانی سے لکھنؤ میں ملاقات
مارچ	۱۹۰۶ء	-	الندوہ سے علیحدگی
اپریل	۱۹۰۶ء	-	ادارت سہ روزہ ''وکیل'' امرتسر
	۱۹۰۶ء	-	وفات برادر بزرگ ابونصر یٰسین آہ

نومبر	۱۹۰۶ء	-	وکیل سے علیحدگی اور کلکتہ واپسی
دسمبر	۱۹۰۶ء	-	شرکت اجلاس مسلم ایجوکیشنل کانفرنس ڈھاکہ
		-	اسی اجلاس میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی
جنوری	۱۹۰۷ء	-	ادارت ہفتہ وار ''دارالسلطنت'' کلکتہ
اگست ستمبر	۱۹۰۷ء	-	ادارت ''وکیل'' امرتسر
اگست	۱۹۰۸ء	-	والد کی شدید علالت کی بناء پر ''وکیل'' سے مستعفی
۱۱ر اگست	۱۹۰۸ء	-	وفات والد
۱۹۰۸ء --	۱۹۰۹ء	-	مغربی ایشیا اور فرانس کا سفر
۱۳ر جولائی	۱۹۱۲ء	-	اجراء ہفتہ وار ''الہلال''
۱۸ر ستمبر	۱۹۱۳ء	-	حادثہ مسجد کانپور کے سلسلے میں شائع شدہ ایک مضمون پر ''الہلال'' پریس سے دو ہزار روپیہ کی ضمانت طلبی، جو ۲۳ر ستمبر کو جمع کرادی گئی
اکتوبر	۱۹۱۴ء	-	حکومت بنگال کی طرف سے الہلال ۱۲، ۱۷ر اکتوبر کے مشترکہ شمارہ کی ضبطی
۱۶ر نومبر	۱۹۱۴ء	-	ضبطی ضمانت اور دس ہزار روپیہ کی نئی ضمانت کا مطالبہ۔ مطالبہ پورا نہ کرنے کی وجہ سے ۱۸ نومبر کی اشاعت کے بعد خود ہی الہلال بند کردیا۔
۱۲ر نومبر	۱۹۱۴	-	اجرا ہفتہ وار ''البلاغ''
۲۸ر مارچ	۱۹۱۶ء	-	حکومت بنگال کا ڈیفنس ایکٹ کی دفعہ ۳ کے تحت حکم کہ چار دن کے اندر کلکتہ کا قیام ترک کردیں اور حدود

بنگال سے نکل جائیں۔ اس سے پہلے حکومت دہلی، پنجاب اور متحدہ اپنے صوبوں میں آنے سے روک چکی تھیں۔			
صوبہ بدر ہونے کی وجہ سے ۱۷، ۲۴ اور ۳۱/مارچ کی مشترکہ اشاعت کے بعد البلاغ بند ہوگیا۔	-	۱۹۱۶ء	اپریل
کلکتہ کا قیام ترک کر کے رانچی (بہار) چلے گئے اور شہر سے باہر مورابادی میں مقیم ہوگئے۔ کچھ دونوں بعد مرکزی حکومت نے وہیں قید کردیا	-	۱۹۱۶ء	۷/اپریل
"تذکرہ"، "جامع الشواہد فی دخول غیر المسلم فی المساجد"	-	۱۹۱۹	
رہائی	-	۱۹۲۰ء	یکم جنوری
بحیثیت صدر بنگال پراونشل خلاف کانفرنس حکومت سے ترک موالات کی دعوت دی	-	۱۹۲۰ء	۲۸-۲۹/فروری
مسئلہ خلافت اور جزیرۃ العرب	-	۱۹۲۰ء	
اس کے انگریزی اور پشتو تراجم بالترتیب بمبئی اور پشاور سے شائع ہوئے۔ انگریز ترجمہ مرزا عبد القادر بیگ اور پشتو ترجمہ ملک سیدا خاں شنواری نے کیا۔	-		
صدارت اجلاس آل انڈیا خلافت کانفرنس ناگپور	-		
تحریک ترک موالات کی دعوت کے لیے اپنی نگرانی میں ہفت روزہ "پیغام" کا اجراء	-	۱۹۲۱ء	۲۳/ستمبر

		-	حکومت ہند نے قومی دارالاشاعت میرٹھ کا شائع کردہ کتابچہ "بائیکاٹ" ضبط کرلیا۔
۲۵/اکتوبر	۱۹۲۱ء	-	صدارت اجلاس پراونشل خلافت کانفرنس آگرہ
۱۸۔۲۰/نومبر	۱۹۲۱ء	-	صدارت اجلاس جمعیۃ العلماء ہند لاہور
۱۰/دسمبر	۱۹۲۱ء	-	گرفتاری، مقدمہ، ایک سال سزا قید کی سزا، پریسیڈنسی جیل علی پور میں قید، اسی مقدمے میں وہ بیان دیا جو "قول فیصل" کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کا عربی ترجمہ "ثورته الهند السياسيه" کے نام سے قاہرہ سے اور ترکی ترجمہ قسطنطینیہ سے شائع ہوا۔ عربی ترجمہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی اور ترکی ترجمہ عمر رضا، مدیر "جہان اسلام" قسطنطنیہ نے کیا تھا۔ انگریزی ترجمہ گاندھی جی نے کیا جو ان کے اخبار "ینگ انڈیا" کی ۲۳/فروری ۱۹۲۲ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔
۶/جنوری	۱۹۲۳ء	-	رہائی
یکم اپریل	۱۹۲۳ء	-	عرب دنیا کو تحریک آزادی سے روشناس کرانے کے لیے اپنی نگرانی میں پندرہ روزہ "الجامعہ" عربی کا اجراء
۱۵/ستمبر	۱۹۲۳ء	-	صدارت اجلاس خاص آل انڈیا نیشنل کانگریس دہلی
۲۹/دسمبر	۱۹۲۵ء	-	صدارت اجلاس خاص آل انڈیا خلافت کانفرنس کانپور
۱۰/جون	۱۹۲۷ء	-	دوبارہ اجراء "الہلال"

دسمبر	۱۹۲۷ء	-	۹ر دسمبر ۱۹۲۷ء کی اشاعت کے بعد "الہلال" بند
۲۷ر جولائی	۱۹۲۹ء	-	صدر مسلم نیشنلسٹ پارٹی
	۱۹۳۰ء	-	قائم مقام صدر آل انڈیا نیشنل کانگریس
۲۱ر اگست	۱۹۳۱ء	-	گرفتاری
۲۷ر جنوری	۱۹۳۱ء	-	رہائی
ستمبر	۱۹۳۱ء	-	ترجمان القرآن (جلد اوّل)
۱۲ر مارچ	۱۹۳۲ء	-	گرفتاری
۱۱ر مئی	۱۹۳۲ء	-	رہائی
اپریل	۱۹۳۶ء	-	ترجمان القرآن (جلد دوم)
		-	ترجمان القرآن جلد اول اور دوم کا انگریزی ترجمہ ڈاکٹر سید عبداللطیف نے تین جلدوں میں کیا جو ہندوستان اور پاکستان سے شائع ہو چکا ہے
	۱۹۳۹ء	-	قائم مقام صدر آل انڈیا نیشنل کانگریس
	۱۹۴۰ء	-	منتخب صدر آل انڈیا نیشنل کانگریس۔ مسلسل ۱۹۴۶ء تک رہے۔
۱۹ر مارچ	۱۹۴۰ء	-	صدارت اجلاس آل انڈیا نیشنل کانگریس رام گڑھ
۳ر جنوری	۱۹۴۱ء	-	گرفتاری، دو برس قید کی سزا، نینی جیل میں قید
۴ر دسمبر	۱۹۴۱ء	-	رہائی
مارچ، اپریل	۱۹۴۲ء	-	کرپس مشن سے گفتگو

۸/ اگست	۱۹۴۲ء	-	آپ کی زیر صدارت کانگریس کے اجلاس خاص منعقدہ بمبئی میں ہندوستان چھوڑ دو کی تجویز کی منظوری
۹/ اگست	۱۹۴۲ء	-	ہندوستان چھوڑ دو کی تجویز کی منظوری کے بعد گرفتاری ،قلعہ احمد نگر میں نظر بندی
۹/ اپریل	۱۹۴۳ء	-	اہلیہ کا کلکتہ میں انتقال
۳۰/ دسمبر	۱۹۴۳ء	-	بہن حنیفہ آبرو بیگم کا بھوپال میں انتقال
		-	بہن خدیجہ بیگم کا انتقال
اپریل	۱۹۴۵ء	-	احمد نگر سے بانکوڑا جیل میں منتقلی
۱۵/ جون	۱۹۴۵ء	-	رہائی
۲۶/ جون	۱۹۴۵ء	-	شملہ کانفرنس میں شرکت
	۱۹۴۶ء	-	”غبار خاطر“
		-	”کاروان خیال“
اپریل، جون	۱۹۴۶ء	-	وزارتی مشن سے گفتگو
۲۷/ دسمبر	۱۹۴۶ء	-	کانگرس کی صدارت سے سبکدوش
۷/ جنوری	۱۹۴۷ء	-	آصف علی کی بطور سفیر ریاست ہائے متحدہ امریکہ نامزدگی کی بنا پر وزیر تعلیم تقرری۔
۱۵/ اگست	۱۹۴۷ء	-	آزاد ہندوستان کی پہلی حکومت میں وزیر تعلیم
۱۴/ فروری	۱۹۵۱ء	-	کانگریس پارلیمانی پارٹی کے ڈپٹی لیڈر، جواہر لال نے نام پیش کیا جسے بالاتفاق منظور کرلیا گیا

۱۸ر مئی	۱۹۵۱ء	-	یونیسکو کی چھٹی عام کانفرنس منعقدہ پیرس میں شرکت کے لیے روانگی۔لندن رکے، وہاں سے پیرس گئے، پھر ترکی اور ایران۔
		-	ہندوستانی وفد کی قیادت، واپسی پر لندن رکے، روم گئے، ایران گئے اور وہاں وزیر اعظم ایران ڈاکٹر مصدق سے ملاقات کی۔تہران سے کراچی آئے اور مزار قائد پر فاتحہ خوانی کی
۶ر فروری	۱۹۵۲ء	-	پہلے عام انتخابات میں حلقہ رام پور سے ہندو مہا سبھا کے جنرل سیکرٹری بشن چند سیٹھ کے مقابلے میں پارلیمنٹ کے رکن منتخب ہوئے۔تعلیم، قدرتی ذرائع اور سائنسی تحقیقات کی وزارت۔
۱۵ر مئی	۱۹۵۲ء	-	جواہر لال کے مستعفی ہونے کے بعد نئی وزارت کی ترتیب میں دوبارہ وہی محکمے اور کانگریس پارلیمانی پارٹی کے ڈپٹی لیڈر
۲۸ر مئی	۱۹۵۳ء	-	قائم مقام وزیر اعظم ہند
۳۰ر مارچ	۱۹۵۴ء	-	وزارت تعلیم کے مطالباتِ زر پر ایوان عام میں پرشوتم داس ٹنڈن اور سیٹھ گووند داس کے اعتراضات پر تقریر۔جوابی تقریر کے آخر میں پورے ایوان نے خراج تحسین پیش کیا جس میں خود وزیر اعظم پنڈت نہرو بھی شامل تھے۔عام طور پر وزیر اعظم تالیوں کے ساتھ خیر

مقدم کرنے میں شامل نہیں ہوتے لیکن یہ پہلا موقع
تھا کہ وزیراعظم نے بھی تالیاں بجا کر خیر مقدم کیا۔

۲۵رمئی	۱۹۵۵ء	-	بمبئی سے لندن روانگی بسلسلہ انڈیا آفس لائبریری
		-	واپسی پر فرانس، مغربی جرمنی کا دورہ
۲۰ردسمبر	۱۹۵۵ء	-	ڈاکٹر آف لیٹرز کی اعزازی ڈگری بنارس یونیورسٹی
۸رفروری	۱۹۵۷ء	-	مشہور مورخ آرنلڈ ٹائن بی نے ملاقات کی۔ یونیسکو کی نویں عام کانفرنس منعقدہ دہلی کی صدارت
۱۱رمارچ	۱۹۵۷ء	-	گوڑگاؤں کے حلقہ سے جن سنگھی امیدوار کے مقابلہ میں پارلیمنٹ کے رکن منتخب ہوئے
۱۷راپریل	۱۹۵۷ء	-	تیسری بار تعلیم اور سائنسی تحقیقات کی وزارت
۱۵رفروری	۱۹۵۸ء	-	انجمن ترقی اردو ہند کی عظیم الشان اردو کانفرنس دہلی میں آخری تقریر
۱۹رفروری	۱۹۵۸ء	-	فالج کا حملہ
۲۲رفروری	۱۹۵۸ء	-	سوا دو بجے شب خالق حقیقی سے جا ملے لال قلعہ اور جامع مسجد دہلی کے درمیان اردو پارک میں دفن کیے گئے۔

صدائے حق

اگر چشم دل واء اور دیدۂ بیں ہیں کور نہ ہو تو فی الحقیقت دنیا میں نصرت الٰہی کی نیرنگیوں کی سب سے بڑی نشانی اس جماعت کی عجائب کاروبار دعوت میں ہوتی ہے۔ دنیا میں حق وصداقت کی آواز کبھی بھی تاج وتخت اور ایوان ومحل کے اندر سے نہیں اٹھی ہے' بلکہ ہمیشہ اس کا سرچشمہ ویران جنگلوں' پھونس کی جھونپڑوں اور پہاڑوں کی غاروں کے اندر بہا ہے اور یہ بھی اس شاہد عجائب پسند کا عجیب وغریب کرشمہ ہے کہ ہمیشہ شکستگی اور افتادگی ہی کو محبوب رکھتا ہے۔

تیسری منزل، حسن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

Mob. 0300-8834610 Tel .042-7232731

maktaba_jamal@email.com/maktabajamal@yahoo.co.uk